ماہنامہ

المرشد

ستمبر 2017ء

ذوالحج 1438ھ/محرم الحرام 1439ھ

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ

(صحیح البخاری، صحیح المسلم، باب الحیض، سنن ابوداؤد، باب الطہارۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

اہل اللہ بارگاہِ رسالت کے خادم بن جاتے ہیں۔ برکات وہاں کی ہوتی ہیں، یہ سبب اور ذریعہ بن جاتے ہیں۔ (صفحہ نمبر:12)

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف

کوئی بھی رشتہ خواہ کتنا قریبی ہو فاصلوں سے، دوریوں سے ماند پڑ جاتا ہے۔ اس میں وہ گرمجوشی نہیں رہتی جو میل ملاقات اور قرب سے نصیب ہوتی ہے۔ جو دور رہ کر بھی قریب رہتے ہیں وہ صرف وہ ہوتے ہیں جن سے ہمارا رشتہ الفت ہوتا ہے، جن سے ہمارے دل وابستہ ہوتے ہیں۔ اس محبت کی آبیاری ہم بڑی محنت سے مگر خوشی خوشی کرتے رہتے ہیں۔ رابطہ رکھتے ہیں، بات کرتے ہیں اور خبر رکھتے ہیں۔ یہ سب کام تو آج کے مادّی وسائل کی ترقی نے آسان کر دیئے کہ زمینی فاصلے اب رکاوٹ نہیں رہے۔

اللہ کریم کی ذات بے مثل و بے مثال ہے، ازلی ہے ابدی ہے، لامکاں ہے۔ وہ فرماتا ہے، مومن کی شدید ترین محبت اللہ کے لیے ہے۔ ایک ایسی ہستی جو حواس سے بالاتر ہے، جس کی ذات لامحدود ہے، نگاہ اُسے دیکھ نہیں سکتی۔ یا اللہ! آپ سے محبت اور وہ بھی شدید تر محبت کیسے ہو؟ فرمایا، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرلو میں تم سے محبت کروں گا۔ گویا اللہ کی محبت مومن کی طرف آتی ہے تو وہ جواب میں محبت کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم میں پندرہ صدیاں حائل ہیں۔ ہم محبت کیسے کریں؟ اتباع تو انتہائی خلوص اور عشق سے اطاعت کا نام ہے۔ یہ معاملہ قلبی رشتے کا ہے۔ قلب زمانوں اور فاصلوں سے آزاد ہے۔ جس سے جُڑنا چاہتا ہے جُڑ جاتا ہے اگر یہ صحتمند ہو، مطمئن ہو تو پندرہ صدیاں اس کی راہ نہیں روکتیں۔ یہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فریفتہ ہو جاتا ہے، وابستہ ہو جاتا ہے۔

تصوف اسی کمال کا نام ہے کہ دلوں کو ذکر اللہ سے مطمئن کر کے اس قابل بنایا جائے کہ زندگی اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت میں بسر ہو جائے۔ اہل اللہ کے سینے اس محبت کے امین ہوتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں اپنے قلوب کو اس قابل بنانا کہ وہ بھی اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کر سکیں، اس مجاہدے کو تصوف کہتے ہیں۔

ستمبر 2017ء، ذوالحج 1438ھ / محرم الحرام 1439ھ

جلد نمبر: 39

شمارہ نمبر: 01

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل و حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش 1200 روپے

مشرق وسطی کے ممالک 100 ریال

برطانیہ یورپ 135 سٹرلنگ پاؤنڈ

امریکہ 160 امریکن ڈالر

فارایسٹ اور کینیڈا 160 امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست اعلیٰ الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

عنوان	مصنف	صفحہ
اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
بحر حیات	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	16
اکرم التفاسیر، سورۃ الزخرف 36 تا 45	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	22
شرح مشکوٰۃ المصابیح	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	26
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	31
اعتکاف۔۔۔تزکیہ کا بہترین موسم	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	35
تزکیہ و آداب شیخ	نوید احمد، واہ کینٹ	40
خواتین کا صفحہ		46
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	49
Translated from Akram-ul-Tafseer	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

ناشر: عبدالقدیر اعوان | انتخاب جدید پریس، لاہور 042-36309053

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org

Ph:054-3562200, Fax: 054-3562198 Email:daruirfan@gmail.com

سرکولیشن و رابطہ آفس

ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381, Cell: 0303-4409395,
Email: monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

قُلْ مَنْ كَانَ ---- وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ (سورۃ البقرہ:97)

قرآن کے مصدق ہونے کا مفہوم:

یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی کتاب نازل نہ ہوگی اگر ایسا ہوتا تو قرآن صرف اپنے سے پہلے کی وحی کا مصدق ہی نہ ہوتا بلکہ بعد والے کلام کی پیشگی تصدیق فرماتا۔ مگر ایسا نہیں، پہلے کی بات کرتا ہے اپنے بعد کا کوئی امکان ہی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد کا کوئی شخص بھی اگر نزولِ وحی کا دعویٰ کرے گا تو کذاب ہوگا۔

وَهُدًى اور راہ دکھاتا ہے یعنی بہترین رہنمائی کرتا ہے کہ جس قدر اصولِ حیات یا طریقِ زندگی لوگوں نے بنائے ہیں ان میں رکھ کر دیکھ لو۔ سب سے بہترین طرزِ حیات وہی ہے جو یہ کلام سکھاتا ہے اور یہ واحد طرزِ حیات یا ہدایت ہے جو پیدائش سے لے کر آخرت تک رہنمائی فرماتا ہے، ورنہ باقی سب طریقِ حیات کم از کم موت سے آگے تو خاموش ہیں۔

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ --- اپنے ماننے والوں میں ایک ایسی روحانی خوشی اور خوشخبری تقسیم کرتا ہے جو انہیں آخرت کی لذتوں سے آشنا کر دیتی ہے اور ایک ایسا سکون عطا فرماتا ہے جس کی لذت کو دنیوی آلام بھی کم نہیں کر سکتے۔

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

یہ جملہ اس کلام کے اعجاز ہیں اور تمہیں اس کلام کو ماننا تھا۔ مگر کیسے مانتے کہ جب تمہارا اصل مرض تو کفر ہے اور اللہ سے دشمنی۔ تو فرمایا، جو اللہ کا دشمن ہو اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور جبرائیل ومیکائیل کا، اللہ تو خود دشمن ہے کافروں کا یعنی یہ جبرائیل سے دشمنی میکائیل سے دوستی نہیں بن سکتی۔ بلکہ اس کا اصل سبب ہی اللہ سے دشمنی ہے تو جب اللہ ہی سے دشمنی ہے تو پھر سب فرشتوں، تمام انبیاء سے دشمنی کا سبب ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ ---- اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ (سورۃ البقرہ:98)

اسی طرح جو بھی مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کا یا اُن میں سے بعض کا دشمن ہوگا تو حقیقتاً وہ سب کا دشمن ہوگا بلکہ خود اللہ کا دشمن ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میرے دو وزیر آسمانوں میں اور دو زمین میں ہیں۔ آسمانوں میں جبرائیل ومیکائیل اور زمین پر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم الی آخر حدیث۔ تو گویا شیخین رضی اللہ عنہم کا یا اُن میں سے کسی ایک کا دشمن بھی اسی وعید کا مستحق ہوگا اور سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ --- کہ خدا خود کفار کا بوجہ ان کے کفر کے دشمن ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غضبِ الٰہی کا شکار ہو کر اللہ کے مقبول بندوں یا اس کے رسولوں اور فرشتوں کی عداوت میں مبتلا ہوں گے۔

اداریہ

منزل

قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ (سورۃ الاعراف:143)

''انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے (اپنا دیدار) کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔''

بے شک لفظ منزل کے معنی مقام مقصود کے ہیں مگر حقیقت اور اصل یا کلی مفہوم جاننے کے لیے نیت تک رسائی ضروری ہے چونکہ جہت دیکھ کر تو ظاہراً اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسافر پا بہ منزل ہے مگر کس واسطے! تو یقیناً نیت کی حیثیت مسلّم ٹھہری۔ بے شک مندرجہ بالا پوری آیہ کریمہ اس بات پر دال ہے کہ دیدارِ باری تعالیٰ عالم خلق میں بساط سے باہر ہے مگر جنّتی کے لیے سب سے بڑی عطا بھی دیدارِ باری تعالیٰ ہوگی۔ اب بات مقام مقصود کی ہے کہ مخلوق، خالق کو اپنی منزل ٹھہرالے تو سالک کے درجے میں جا پہنچے گی اور اگر یہاں سے بھٹک گئی تو ابدالآباد بدبختی کی دلدل میں دھنس جائے گی۔

سالکین کی جب بات آئے گی تو موضوع سالکین تصوف سے منازل سلوک تک جائے گا۔ منازل سلوک یعنی قربِ الٰہی کے پڑاؤ۔ چونکہ اصل منزل تو اللہ کریم کی رضا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں رختِ سفر لطائف سے باندھا جاتا ہے۔ سات لطائف پر اسم ذات ''اللہ ھو'' کا ذکر کرایا جاتا ہے۔ جب ذاکر کے لطائف روشن ہو جاتے ہیں تو پھر اسے استغراق کی کیفیت سے آشنا کیا جاتا ہے یعنی روحانی طور پر رابطہ کرایا جاتا ہے۔ جتنے لطائف راسخ ہوں گے اتنا روح میں قوتِ پرواز مضبوط ہوگی۔ شروع کے مراقبات کرانے کے بعد فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ بعض صوفیا نے یہاں تصوف کی انتہا سمجھی مگر مشائخ سلسلہ عالیہ کا فرمان ہے کہ سالک جب دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر باش ہو جائے تو تب ہی قربِ الٰہی کے بالا منازل کے قابل ہوتا ہے۔ عرشی منازل طے ہو جائیں تو عالم خلق کی انتہا اور عالم امر کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی تو سالک گھر پہنچا ہے کہ جہاں سے روح آئی ہے۔

اس سے آگے کی بات بتانے میں آ بھی نہیں سکتی اور بتائی جائے تو کوئی اسے سمجھ نہیں پاتا بہرحال آگے نہ ختم ہونے والے مقامات، بلندیاں اور عظمتیں ہیں جس میں ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آتی ہے۔ یہ وہ ولایت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعثتِ نبوت سے پہلے عطا ہوتی ہے۔ جیسے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗۤ اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ؕ (سورۂ یوسف:22) سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے اور دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے ارشاد ہے۔ اس میں ولی اللہ بحیثیتِ خادم جاتا ہے جیسے شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ خدام۔ یہ بے پناہ وسعتیں پوچھنے بتانے سے آگے کی ہیں۔ عمر عزیز ہار کر اگر کوئی جھلک نصیب ہو جائے تو اللہ کریم کا احسان عظیم ہے۔

یہاں کچھ باتیں ذہن نشین رہنی چاہییں کہ ولایت کسبی ہے مگر بنا شیخ کامل کے ناممکن ہے۔ منازل کا بیان تو چند الفاظ میں ہو سکتا ہے مگر ہر منزل کا دوسری منزل سے فاصلہ صحرا میں پڑی انگوٹھی کی نسبت سے بھی زیادہ ہے۔ کشف و کرامات کو ولایت کی نشانی سمجھنے کی بجائے عملی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو دیکھا جائے۔

تا حالِ تو نباشد ہمچو حالِ ما حالِ ما باشد ترا افسانہ پیش

''جب تک تیرا حال بھی میرے جیسا نہ ہو جائے میرا حال تجھے افسانہ لگے گا۔''

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔ ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

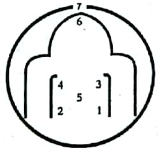

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔

ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن و خاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گرہ ہنر — کون سی ایسی بات ہوئی ہے — نشانِ منزل

متاعِ فقیر — دل دروازہ — سوچ سمندر

آس جزیرہ — دیدۂ تر

نعت

تجھ کو اگر نہ پا سکوں کس سے کہوں میں حالِ دل
کوئی میری سنے گا کب اور اس کو میں سناؤں کیوں

تیری حسین یاد بھی تیری طرح عزیز ہے
ہوں گے خفا تو لوگ ہوں میں اسے چھپاؤں کیوں

ٹوٹا جو دل تو پا گیا تیرے جمال کی جھلک
بکتا ہے گر یہ ٹوٹ کر میں اسے بچاؤں کیوں

ٹوٹا کس طرح سے یہ کرچیں کہاں کہاں گریں
توڑا ہے جس نے خود اسے اس کو میں یہ بتاؤں کیوں

تیرے قیام کے لیے تیرا ہی گھر بنا تھا یہ
آ جا سجے گا تجھ سے یہ، عنبروں کو یہاں بساؤں کیوں

موت ہی حیات ہے آئے طلب میں گر تیری
جس راہ پہ ہو نہ منتظر اس پر بھلا میں جاؤں کیوں

جو رازداں نہیں میرے، کہتے فقیرؔ ہیں مجھے
سینے میں لعل ہے دفن ان کو میں یہ بتاؤں کیوں

(حمد و نعت سے ماخوذ)

اقوالِ شیخ

1۔ درحقیقت تصوف نام ہی کیفیات قلبی کا ہے جو امور دنیا میں گھرے خلوص کی صورت ساتھ ہوتی ہیں۔

(کنوز دل، ص:145)

2۔ ذکر کثیر صرف وہ ہے جو دل کی دھڑکنوں میں بس جائے۔

(المرشد مئی 2015ء، ص:9)

3۔ اللہ کی رضا کا صرف ایک دروازہ ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(المرشد نومبر 2016ء، ص:8)

4۔ مجاہدہ ہے پل پل میں، ہر لمحے میں اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔

(المرشد نومبر 2016ء، ص:8)

5۔ محبت یا پیار ایک ایسا جذبہ ہے جو نفع ونقصان سے بالاتر ہوتا ہے۔

(المرشد نومبر 2016ء، ص:9)

6۔ اپنے رب کو اپنا بنالو۔ اللہ سے دعا کرو وہ تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سکھادے گا، وہ اس پر عمل کی توفیق دے دے گا۔

(نقوش، ص:429)

7۔ اسلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کا نام ہے۔

(نقوش، ص:83)

8۔ زندگی میں پسند کے فیصلے نہیں آتے، پسند کو اُس کے فیصلوں کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے اور یہی تصوف ہے۔

(نقوش، ص:128)

9۔ یاد رکھو! عمل اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ہوگا اور برکات صرف شیخ کے سینے سے نصیب ہوں گی۔

(نقوش، ص:128)

10۔ اگر وسیلہ موجود ہو اور مجاہدہ نہ کیا جائے تو کما حقہ فائدہ ممکن نہیں۔

(بیعت کیا ہے؟، ص:4)

12 مئی 2017ء

بحرِ حیات

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اجتماع پر یہی آیت کریمہ ہم بیان کر رہے تھے تو اس کا آخری حصہ تفسیر طلب رہ گیا تھا تو آج میں نے کہا کہ جو اس کا بقیہ حصہ ہے وہ بیان کر دیا جائے۔ بنیادی بات یہ ہے ارشادِ باری ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(الذاریات:56)

اہل معارف تفسیر میں لکھتے ہیں، عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ عبادت کا مفہوم معرفت اور پہچان ہے یعنی عظمتِ الٰہی کو اپنی حیثیت کے مطابق جان کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا، جبراً یا زبردستی نہیں بلکہ اللہ کریم نے انسان کو موقع دیا ہے وہ اپنے لیے راستہ چن لے۔ تو عبادت اس اطاعت کا نام ہے کہ عظمتِ الٰہی سے آشنا ہو کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے لیکن یہ انتہائی مشکل کام ہے، انسان کے بس سے باہر ہے اور جو بات انسان کے بس کے باہر ہو اس کا تو انسان کو اللہ مکلف ہی نہیں بناتا۔ جب یہ انسان کے بس کے باہر بات ہے، بالاتر بات ہے تو یہ اس کا مکلف کیوں ہے؟ اللہ نے اس کے لیے اپنی معرفت کا، اپنی پہچان کا ذریعہ بنا دیا اور وہ ذریعہ ہیں اللہ کے انبیاءؑ و رسل۔ ہر نبی اور رسول اس لیے مبعوث ہوتا ہے کہ وہ مخلوق کو اللہ کی عظمت سے آشنا کرے۔

ارض وسماء کا نور تو اللہ ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط (النور:35) جیسے کوئی طاق ہو اور اس میں چراغ رکھا ہو۔ یہ طاق کیا ہے؟ یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سینہ ہائے اطہر ہیں، انبیاءؑ کے مبارک سینے ہیں جو وہ طاق ہیں جن میں چراغ اللہ کا نور ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط (النور:35) اس نور پر خوبصورت، بیش بہا قیمتی قندیل ہے، یہ کون سی قندیل ہے؟ یہ جن پردوں میں دل لپٹا ہوا ہے انبیاءؑ کے، وہ پردے خوبصورت قندیل ہیں۔ قندیل سے روشنی اور بڑھ جاتی ہے اور چراغ کی جو روشنی نگاہوں کو چندھیا دینے والی ہو وہ کم ہو جاتی ہے اور چیزیں واضح ہو جاتی ہیں۔ وہ چراغ کیسا ہے؟ جس میں دنیا کا بابرکت ترین تیل ڈالا گیا ہو جو زیتون کا ہے اور ایسے درخت کا ہو جو کسی کنارے پر مشرق یا مغرب نہیں عین باغ کے وسط میں ہو۔ جسے خوب پانی بھی ملتا ہو، خوب پھلتا پھولتا ہو اور جس کا پھل تیل کے معاملے میں Rich ہو، بھرا ہوا ہو اور اتنا شفاف ہے کہ اسے دیا سلائی نہیں دکھانی پڑتی۔ انبیاءؑ کے دلوں کے جو چراغ ہیں انہیں کسی خارجی تحریک کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ خود بخود روشن ہوتے ہیں۔ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط (النور:35) وہ ایسا تیل ہے کہ جو جل اٹھے حالانکہ کوئی اسے دیا سلائی بھی نہ دکھائے۔ انبیاءؑ کے علاوہ مظاہر قدرت اتنے ہیں کہ جہاں نورِ نبوت نہیں پہنچتا وہاں اس بات کا انسان مکلف ہے کہ وہ سورج چاند ستارے، نباتات جمادات دیکھ کر یہ سمجھے کہ کوئی ان کو بنانے، اس نظام کو بنانے چلانے والا ہے اور وہ سب سے طاقتور ہے کہ اس کے نظام میں کوئی مداخلت نہیں کرتا۔ اور وہ اکیلا ہے، کوئی دوسرا نہیں جو اس کے نظام میں مداخلت کر سکے، یہ اس

کی نجات کے لیے کافی ہے۔ اس پہ نہ حلال ہے نہ حرام ہے، نہ فرض ہے نہ سنت ہے، نہ واجب ہے، نہ نماز ہے نہ روزہ ہے، نہ اسے اللہ کی عظمت کی حقیقی پہچان ہے۔ مخلوق کو دیکھ کر اندازہ لگالیتا ہے کہ کوئی خالق بھی ہے۔ وہ کیسا ہے یہ اسے نہیں پتا۔ اس کے پاس وہ روشنی نہیں ہے جس میں وہ رخِ یار نظر آئے۔ وہ روشنی انبیاءؑ کے مقدس سینے ہیں۔ اور وہ روشنی کیسی ہوتی ہے؟ اتنی تیز، اتنی واضح، اتنی روشن ہوتی ہے کہ آنکھوں کو چندھیاتی نہیں کہ اس پر مصباح ہے، اس پر ایک خوبصورت قندیل ہے، ایک Cover ہے، خوبصورت روشن جو اس روشنی کو سنبھالتا ہے۔ وہ آنکھوں کو چندھیانے نہیں دیتا لیکن ہر چیز واضح کر دیتا ہے۔ اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ نبی کی نگاہ کے سامنے جو آ گیا اس میں اگر ایمان ہے، اس نے کلمہ پڑھ لیا، ایمان لے آیا، اس ایک نگاہ میں اس کا سینہ بھی ایک الگ روشن چراغ بن جاتا ہے، ایک قندیل اس میں بھی رکھی جاتی ہے۔ اسی لیے صحابی کا مقام سب سے بلند تر ہے۔ صحابی بننے کے لیے کتنے چلّے کاٹے کسی نے، کتنے روزے رکھے، کتنے نوافل پڑھے؟ کچھ بھی نہیں، ایک نگاہ۔ اس کی نگاہ نبی کریم ﷺ کے وجودِ اقدس پر پڑ گئی یا حضور اکرم ﷺ کی نگاہ اس پر پڑ گئی نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ اس کا سینہ بھی ایک چراغ کا امین ہو گیا، تجلیاتِ باری کا مخزن ومعدن ہو گیا۔

صحابی بننے کے لیے کتنے چلّے کاٹے کسی نے، کتنے روزے رکھے، کتنے نوافل پڑھے؟ کچھ بھی نہیں، ایک نگاہ۔ اس کی نگاہ نبی کریم ﷺ کے وجودِ اقدس پر پڑ گئی یا حضور اکرم ﷺ کی نگاہ اس پر پڑ گئی نور ہو گیا۔ اس کا سینہ بھی ایک چراغ کا امین ہو گیا، تجلیاتِ باری کا مخزن ومعدن ہو گیا۔

میں نے اُس دن عرض کیا تھا کہ جاننا ایک بات ہے ماننا اس کا دوسرا درجہ ہے لیکن پہچاننا سب سے اعلیٰ اور آخری درجہ ہے۔ مخلوق سے اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ مجھے پہچانو، تمہاری تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم مجھے پہچانو۔ اب یہ بغیر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہو نہیں سکتا، ناممکن ہے۔ اور انسان اس کا مکلف اس لیے ہے کہ انبیاءؑ بھی انسانوں میں سے مبعوث ہوتے ہیں۔ یہ جھگڑا چلتا رہتا ہے کہ نبی نور ہوتا ہے بشر نہیں ہوتا۔ اگر بشریت کا انکار کر دیا جائے تو نوری مخلوق میں فرشتے ہیں، ان میں نبوت نہیں ہے۔ نبی بشر ہوتا ہے، آدم علیہ السلام کی اولاد ہوتا ہے لیکن کوئی دوسرا بشر نبی جیسا بشر نہیں ہوتا۔ نبی خیر البشر ہوتا ہے۔ کامل، مکمل، اکمل بشر نبی ہوتا ہے۔ باقی ہم بشر کہلاتے ہیں لیکن ہم بشر ہیں کہاں! لوگ جب بشر سمجھتے ہیں تو سمجھتے ہیں جیسا میں ہوں ایسا بشر نبی کو کہہ رہے ہیں۔ بھئی ہم پتا نہیں بشریت پر پورے بھی اترتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کریم تو فرماتے ہیں جو میری اطاعت نہیں کرتا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ (سورۃ الاعراف:179) یہ تو چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ (سورۃ الاعراف:179) ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہ تو گدھوں سے بھی برے ہیں تو پھر بشر کیسے ہو گئے۔ ہماری بشریت مشکوک ہے، نبی کی نہیں۔ اور نبی خیر البشر ہوتا ہے۔ آقائے نامدار ﷺ جیسا کوئی نبی بھی آپ کا ثانی نہیں ہے۔ غیر نبی کی تو وہاں دم مارنے کی جرأت ہی نہیں ہے۔ وہ بشریت امین ہے تجلیاتِ باری کی، روشن چراغ ہے اس کے سینے میں۔ روشنیاں بکھیرنے والا وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب:46) ایسا چراغ میرے حبیب ہم نے آپ کو بنایا ہے جو روشنیاں بکھیرتا ہے، ہمیشہ بکھیرتا رہے گا۔ انبیاءؑ تشریف لائے، ان کی قومیں محدود تھیں، قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ علاقے محدود تھے ایک علاقے میں مبعوث ہوئے۔ اوقات محدود تھے، ایک وقت سے ایک وقت تک مبعوث ہوئے پھر کوئی دوسرا نبی آیا۔ اسی لیے ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا
أَبَدًا عَلَى أُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرُبُ

پہلوں کے بھی سورج تو نکلے، انہوں نے بھی دنیا کو روشن کیا لیکن غروب ہو گئے۔ لاتغرب، ہمارا سورج طلوع تو ہوا ہے، ہمیشہ ہمیشہ افقِ علیٰ پر چمکتا رہے گا۔ یہ کبھی غروب نہیں ہوگا۔ کہ جو نور اس عالمِ بالا سے آتا ہے اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک حصہ ہوتا ہے جو عمومی بارش برستی ہے ہر فرد پہ، جب بارشیں برستی ہیں تو جہاں کھیتیاں اُگتی ہیں وہاں جھاڑ جھنکاڑ بھی پھلتے پھولتے ہیں، خاردار جھاڑیاں بھی پھلتی ہیں۔ اب یہ کسان کے ذمے ہے کہ اپنی کھیتی بچائے اور جھاڑ جھنکاڑ کو اکھاڑے۔ اسی لیے بندۂ مومن کے ذمے ہے کہ خود نیکی کرے اور برائی کا دفاع

کرے، برائی کو مٹائے۔ اسی کا نام جہاد ہے۔ بندے مارنا جہاد نہیں ہے۔ بندے تو تب مرتے ہیں جب وہ بُرائی کی حمایت میں میدان میں نکلتے ہیں تو مجبوری ہو جاتی ہے کہ یا بُرائی قبول کی جائے یا انہیں قتل کیا جائے لیکن اگر میدانِ کارزار میں بھی کوئی بُرائی سے توبہ کرے تو مسلمان کی تلوار اس پہ نہیں اٹھتی، اسے سینے سے لگا لیا جاتا ہے۔ تو جہاد ہے کہ جھاڑ جھنکاڑ جو اُگتے ہیں اس سے میدان کو صاف کیا جائے، برائی کو مٹایا جائے۔ ایک شعبہ تو اس کا یہ ہو گیا کہ نیکی بھی بڑھتی ہے بُرائی بھی بڑھتی ہے۔ آج کل دیکھ لیں جہاں نیکی پھیل رہی ہے بُرائی کے بھی نئے نئے راز کھل رہے ہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ عالمِ کفر میں اسلام پھیل رہا ہے اور اسلامی دنیا میں لوگ کافروں جیسا بننے کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمارے بدنصیب لوگوں کو کافروں جیسا بننے کا شوق ہے، نام بگاڑ کے ان جیسا کرنے کا، کردار ان جیسا کرنے کا۔ میں صبح ٹیلیویژن پر سن رہا تھا کہ ایک کوئی بندہ ہے اس کا نام ہے مستجاب احمد خان۔ کتنا خوبصورت نام ہے مستجاب احمد خان۔ بڑا مبارک نام ہے لیکن وہ امریکہ میں رہتا ہے تو مُشی خان کہلاتا ہے۔ کہاں مستجاب اور کہاں احمد مشی خان۔ اب وہ گانے گاتا ہے۔ وہ امریکہ میں تھا تو ماں مر گئی پیچھے، اب ماں کو ثواب بخشنے کے لیے یہ امریکہ سے آیا، ماں کی قبر پر کھڑا ہو کر گانا گایا۔ تو میں نے کہا قبر میں دو طبلے بھی دفن کر دیتے، ماں ساز بجاتی تم گانا گاتے۔ عجب حیرت ہے، یہ مسلمان ہیں، انہیں کیا ہو گیا ہے، یہ نہ جانتے ہیں نہ مانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں۔ یہ رسمی مسلمان ہیں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے، مردم شماری میں مسلمان لکھے گئے۔ اوہ یار قبر میں اسے ثواب پہنچانے کے لیے تو کوئی اللہ کا نام لے لو۔ سورۃ فاتحہ ہی پڑھ کے بخش دو، قل شریف پڑھ کے بخش دو، درود شریف پڑھ کے ثواب بخش دو، قبر پر کھڑے ہو کر گانا گا رہا ہے کہ ماں کو نجات ہو جائے۔ لوگ دین چھوڑتے جا رہے ہیں رسومات اپناتے جا رہے ہیں۔ سال بھر کی نمازوں کا فکر نہیں، شب برات منانی ہے، میلاد منانا ہے۔ جن چیزوں کا کوئی نشان عہدِ نبوی ﷺ میں نہیں، عہدِ صحابہؓ میں نہیں تابعینؒ، تبع تابعینؒ میں نہیں وہ تم نے کرنی ہیں۔ جن کی تاکید قرآن میں بھی ہے، سنت میں بھی ہے، جن پر حضور ﷺ نے ساری عمر عمل کیا، عمل کرنے کا حکم دیا وہ تم چھوڑ دیتے ہو۔ تو عجیب بات ہے کہ جہاں دلوں میں بُرائی ہے وہاں ابل ابل کر باہر آ رہی ہے اور جہاں کچھ خوفِ خدا ہے وہاں سے کفر چھٹ رہا ہے، لوگ ایمان لا رہے ہیں، کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اسلام کو جو کافر اپنا رہے ہیں وہ با قاعدہ اسلام اپنا رہے ہیں، عملاً اسلام اپنا رہے ہیں۔ مطالعہ کرتے ہیں، پڑھتے ہیں، سمجھتے ہیں۔ تو یہ تو ایک شعبہ ہو گیا۔

دوسرا شعبہ یہ ہے کہ اس آیت نے جس کی بات کی۔ جو انوارات ہیں انہی جہانوں کے۔ میں نے تو ایک حد تک آپ کو بتایا، اب جانے یہ انوارات کہاں سے آتے ہیں، اس سے اوپر کتنا ہے؟ وہ تو ہمارے بس میں نہیں، ہماری تو نگاہ نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے کہ ولایت سے اوپر تبع تابعین ہیں۔ جہاں ولایت کی حد ختم ہوتی ہے تبع تابعینؒ کی شروع ہوتی ہے پھر اس سے اوپر تابعینؒ کی، اس سے اوپر صحابہؓ کی، جہاں صحابیت کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت شروع ہوتی ہے۔ تو کوئی شخص ولایت کی حدود میں کھڑے ہو کر وہاں کی بات کیسے کر سکتا ہے؟ یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں سے آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات کیسے، کس مقام سے، کیسے نبی کو عطا فرماتے ہیں یہ اللہ کا اور نبی کا معاملہ ہے ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ نبی کے چراغ نے پھر جہاں کو روشن کر دیا۔ جہاں کوئی سینہ کھولتا ہے دل پیش کرتا ہے وہ روشن ہو جاتا ہے۔ وہ نور کا ایک دریا جو سینۂ اطہر نبوت میں آتا ہے پھر وہ آگے تقسیم ہوتا ہے۔ وہ خوبیٔ تمام حضور ﷺ سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے لیا، اکمل ترین سب سے اعلیٰ۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے لیا، سیدنا عثمان غنیؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ سے لیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عثمان غنیؓ سے لیا۔ حضرت علیؓ کے بعد کوئی اتنا اولوالعزم نہیں آیا جو سارا دریا سموتا، پھر شاخوں میں بٹ گیا پھر لوگوں کو

وہ نور کا ایک دریا جو سینۂ اطہر نبوت میں آتا ہے پھر وہ آگے تقسیم ہوتا ہے۔ وہ خوبیٔ تمام حضور ﷺ سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے لیا، اکمل ترین سب سے اعلیٰ۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے لیا، سیدنا عثمان غنیؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ سے لیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عثمان غنیؓ سے لیا۔ حضرت علیؓ کے بعد کوئی اتنا اولوالعزم نہیں آیا جو سارا دریا سموتا، پھر شاخوں میں بٹ گیا۔

محنت مجاہدہ کرنا پڑا۔ وہ دل چلے گئے جو از خود روشن ہو جاتے تھے، وہ عہد چلے گئے، وہ مبارک زمانے چلے گئے، خیر القرون گزر گیا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد تھا: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ (مسلم) حضرت علیؓ سے مختلف تابعین نے لیا اعلیٰ پائے کا۔ کچھ قائد بنے، کچھ ان کے مقتدی بن گئے۔ پھر تابعین سے تبع تابعین نے، پھر اہل اللہ نے، اولیاء اللہ نے۔ اسی لیے سارے سلاسلِ تصوف جا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر ختم ہو جاتے ہیں۔ چونکہ آگے پھر حضرت علیؓ نے وہ کامل چیز لی تو یہ بھی ایک سوال اکثر ہوتا ہے کہ سارے سلسلے حضرت علیؓ سے ہی کیوں ملتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تقسیم وہیں سے شروع ہوئی، پہلے جو چار ہستیاں تھیں، وہ کامل کامل لیتے رہے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الکریم سے آگے پانچواں شخص ایسا کوئی نہیں جو سارا دریا سمو لیتا۔ لہٰذا بہت سی نہریں بن گئیں۔ ابوبکر صدیقؓ سے جہاں یہ کامل حضرت عمرؓ کو ملا، وہاں ایک نہر اور بھی نکلی جسے نسبتِ اویسیہ کہتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ نسبتِ اویسیہ میں حضرت اویسؓ نہیں ہیں۔ طریقہ حصولِ فیض کا وہ ہے جو حضرت اویسؓ کا تھا کہ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر تو نہ ہو سکے لیکن عشقِ پیمبر میں اس درجے کو پہنچے کہ غائب رہ کر بھی بے پناہ برکات حاصل کیں۔ تو یہ جتنے سلاسلِ تصوف ہیں ان میں یہ ہوتا ہے کہ شیخ کے پاس لوگ جاتے ہیں، رہتے ہیں، شیخ مراقبات کرائے تو ہو گئے، پھر چلے گئے۔ پھر سالوں بعد آئیں تو شیخ اس سے آگے چلائے تو چل سکتے ہیں۔ نسبتِ اویسیہ میں یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی رہیں وہیں وہ برکات پہنچتی رہتی ہیں اور شیخ وہاں بھی چلا سکتا ہے۔ جس طرح حضرت اویسؓ قرن میں رہے، برکاتِ رسالت پہنچتی رہیں، مقامات طے ہوتے رہے، اس لیے اسے نسبتِ اویسیہ کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے جو عظیم تابعی ہیں اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد ان کی تربیت خانۂ نبوت میں ہوئی، صحابہؓ کا عہد پایا، سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے انہوں نے لیا۔ حضرت داؤد طائیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت عبید اللہ احرارؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، ابو ایوب حضرت محمد صالحؒ، حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ، حضرت عبدالرحیمؒ اور پھر یہ دریا حضرت مولانا اللہ یار خانؒ تک پہنچا۔ درمیان میں کہیں سو سال کا کہیں تین سو سال کا بھی وقفہ ہے۔ سوال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ تین سو سال اس کا وجود ہی کوئی نہیں پھر تین سو سال بعد پھر اگلا بندہ آ جاتا ہے، یہ درمیان میں رابطہ کیسے ممکن ہے؟ شاہ ولی اللہؒ نے الانتباہ فی سلاسلِ اولیاء میں بہت سے سلاسل کا ذکر کیا ہے غالباً انہوں نے چودہ یا سولہ مجھے صحیح یاد نہیں ہے اتنے سلسلے لکھے ہیں جو رائج تھے۔ اور سلسلے بھی دنیا میں ابھی رائج ہیں، ہمارے ہاں برصغیر میں ان میں سے صرف چار رہ گئے ہیں۔ یہ سارے لکھنے کے بعد وہ کہتے ہیں ایک نسبتِ اویسیہ بھی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے، جل تھل کر دیتا ہے لیکن چلتا چلتا جیسے کبھی دریا ریت میں جذب ہو جاتا ہے، یہ نسبت زیرِ زمین چلی جاتی ہے، اس کا کوئی بندہ دنیا میں رہتا نہیں۔ پھر چلتے چلتے پھر چشمے کی طرح پھوٹ پڑتی ہے اور جب پھوٹتی ہے تو پھر جہاں پہ چھا جاتی ہے، جل تھل کر دیتی ہے۔ لوگوں کو عجیب لگتا ہے کہ حضرت مدنیؒ اور حضرت اللہ یار خانؒ میں تقریباً کم و بیش تین صدیوں کا فاصلہ ہے یہ کیسے ہوا؟ لوگو یہ اللہ کے انتظام ہیں۔ قرآنِ کریم اصحاب کہف کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ ان کی قوم بت پرستی میں مبتلا تھی۔ وہ چند نوجوان تھے انہوں نے کہا ہم تو اللہ کی توحید پہ قائم ہیں۔ وہ قوم کے ڈر سے گھر سے بھاگے، ایک غار میں چھپ گئے جسے کہف کہتے ہیں۔ وہ علاقہ جو ہے اسے وادیٔ رقیم کہتے ہیں۔ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (سورۃ الکہف:9) آج بھی اس وادی کا نام رقیم ہے، وہاں مسجد وغیرہ بنی ہوئی ہے، جہاں وہ غار ہے جس میں وہ چھپے ہوئے تھے۔ اب اس بات کی گواہی قرآنِ کریم دیتا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں میں نے انہیں تین سو نو برس وہاں سلائے رکھا، وہ زندہ رہے لیکن جاگے نہیں۔ غار میں جا کے لیٹے، سو گئے، تین سو سال سے زیادہ عرصہ غار میں سوئے رہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں ان کے پہلو بدلتا رہتا تھا۔ سورج کو میں نے فرمایا کہ طلوع کے وقت بھی ان سے بچا کے گزرو، غروب کے وقت بھی ان پر دھوپ نہ پڑے، جسم خراب نہ ہوں۔ کیوں؟ تین صدیاں بیت گئیں، پرانے شہر اجڑ گئے نئے آباد ہو گئے، پرانی حکومتیں چلی گئیں، نئی آ گئیں، اس بت پرستی کی جگہ چونکہ

نسبتِ اویسیہ میں یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی رہیں وہیں وہ برکات پہنچتی رہتی ہیں اور شیخ وہاں بھی چلا سکتا ہے۔ جس طرح حضرت اویسؓ قرن میں رہے، برکاتِ رسالت پہنچتی رہیں، مقامات طے ہوتے رہے، اس لیے اسے نسبتِ اویسیہ کہتے ہیں۔

عیسیٰؑ کا دین تھا، عیسائیت آ گئی اسلام آ گیا۔ اس وقت وہی اسلام تھا۔ وہاں تین سو سال بعد جو حکمران تھا وہ دیندار تھا لیکن قوم بگڑ گئی۔ اب اس کی جسے آپ Elite Class کہتے ہیں، امراء جو ہیں، طبقہ امراء بگڑ گیا۔ فوجی جرنیل بھی کہتے کہ یہ کیا قیامت کا تماشہ ہے، آج تک جتنے مرے ہیں کوئی زندہ ہوا ہے؟ ہڈیاں بھی مٹی کھا گئی، گوشت چمڑہ بھی گل گیا پھر کیسے زندہ ہوں گے؟ تو وقوعِ قیامت کے انکار کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ وزراء، امراء بھی کہتے۔ بادشاہ اگرچہ دیندار تھا، مانتا تھا لیکن بے بس تھا، اب یا حکومت گنوائے یا خاموشی اختیار کرے۔ تو اللہ کریم نے اصحاب کہف کو بیدار کر دیا۔ تین سو سال پہلے اہتمام فرما دیا، ضرورت تین سو سال بعد آئی۔ انہیں جاگ آ گئی، اٹھے، ایک دوسرے سے پوچھا یار ہم تو سو گئے تھے، انہوں نے پوچھا کتنی دیر، کہا کوئی جھٹ پہر ہی ہوا، آنکھ لگ گئی تھی۔ تو بھوک لگ رہی ہے، پیسے لے جاؤ، کھانا لے آؤ۔ اور بچ کر لانا اور دیکھنا کوئی پاک کھانا لانا ویسے بازار کی چیز نہ اٹھا لانا۔ جہاں حلال اور پاک ہو وہاں سے خریدنا اور یہ بھی دیکھنا قوم کو پتا نہ چلے ورنہ پکڑے جائیں گے۔ وہ جب بازار گئے تو جو سکہ اس نے دکاندار کو دیا وہ تو تین سو سال پہلے کا تھا۔ اس نے کہا بابا تم کہاں سے آ گئے ہو۔ یہ سکہ کب کا، وہ کس زمانہ کا، یہ سکہ کس سے لائے ہو تو بات پھیل گئی، عام ہو گئی۔ قوم جمع ہو گئی بادشاہ تک بات گئی۔ جمع ہو کر غار پر آئے، دیکھا وہ بندے زندہ ہیں ٹھیک ٹھاک ہیں۔ لیکن جب لوگ وہاں آئے جمع ہوئے تو اللہ نے سب کو موت دے دی۔ انہیں یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ قادر ہے جو تین سو سال زندہ رکھ سکتا ہے وہ مرے ہوئے کو پھر بھی اٹھا سکتا ہے۔ بھلا تین سو سال بندہ کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہے؟ اس نے رکھا۔ تو وہ سارے لوگ قیامت کے قائل ہو گئے۔ وہ چونکہ بادشاہ دیندار تھا اس کی مدد کے لئے اللہ نے تین سو سال پہلے انتظام فرما دیا۔ اس کے اپنے فیصلے ہیں ناں۔ تو اگر اس سرزمین کو اس نے اس چراغ سے روشن کرنا تھا اور اس کو ذریعہ بنانا تھا حضرت اللہ یار خانؒ کو تو اس کا تین سو سال پہلے انتظام کر دیا تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟ مثال تو قرآن میں موجود ہے ناں، وہاں بھی کیا تھا یہاں بھی کر دیا۔ پھر سوال کہاں سے آ گیا۔ تو اللہ قادر ہے، اس کا کرم تھا وہ چاہتا تھا کہ یہ دریائے رحمت یہاں جاری ہو۔ وہ کہاں سے مدینہ منورہ سے چل کر آئے۔ ان کے دل میں تھا کہ ہندوستان میں غزوہ ہو گا میں غزوۃ الہند میں شریک ہوں گا۔ یہ آرزو کرتے کئی صحابہ گزر گئے، حضرت ابوہریرہؓ جیسے صحابی بھی آرزو کرتے رہے کہ کاش مجھے غزوۃ الہند میں شرکت نصیب ہو جائے۔ مارا گیا تو بلا حساب جنت جاؤں گا، زندہ رہا تو کہیں گے ابوہریرہؓ غازی۔ جب سے حضور ﷺ کا ارشاد سنا ہر ایک کے دل میں تڑپ تھی۔ کتنے لوگ عرب سے ہجرت کر کے آئے ان میں حضرت اللہ دین مدنیؒ بھی تھے۔ آئے اس غرض سے تھے، اللہ نے کام یہ لینا تھا۔ تو جن کو حیرت ہوتی ہے وہ اصحابِ کہف کا قصہ پڑھ لیں اور وہاں بھی تو اللہ نے تین سو سال پہلے اہتمام کر دیا اور کتنا عجیب و غریب کیا۔ یہاں تو بندہ واصلِ حق ہو گیا اور ان کے مزارِ انور کو انوارات کی تقسیم کا سبب بنا دیا، وہاں تو انہیں زندہ رکھا کہ انہیں پتا چل جائے کہ اللہ موت دینے پہ، زندہ رکھنے پہ قادر ہے۔ تو تین سو سال بعد ضرورت پیش آئی، جواب کا اہتمام تین سو سال پہلے کر دیا۔ یہاں کر دیا تو کون سی حیرت کی بات ہے، کون سا سوال پیدا ہوتا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کوئی سوال نہیں، نظام ہے اللہ کریم کا اس نے کر دیا۔ اور پھر یہ چشمہ جب پھوٹا تو دیکھ لو جاپان سے امریکہ اور چین سے افریقہ تک جن کے نصیب میں ہے ان کے دل روشن ہو گئے۔ اب کوئی روشنی چاہیے ناں اتنے چراغ جلانے کو۔ اس عالمِ کفر میں، مغرب کی تاریکیوں میں، مشرقِ بعید کے اندھیروں میں، کفرستانوں میں، دلوں میں روشنی آ جائے تو پھر وہ قادر ہے، اس نے اہتمام کیا وہ پہنچا رہا ہے۔ لوگ تو صرف اس کا سبب بن گئے۔ وہ تو خوش قسمتی ہے ان لوگوں کی جو اس کا سبب بن رہے ہیں۔ اس نے پہنچانی تھی اس نے انتظام کر دیا۔ مجھے سبب بناتا ہے یا آپ کو بناتا ہے، میری اور آپ کی خوش قسمتی ہے۔ ہمیں نہیں بنائے گا کسی اور کو بنا دے گا۔ وہ تو قادر ہے، اس کی مخلوق بھی کم نہیں ہے جسے چاہے نواز دے۔ تو وہ جو دوسرا شعبہ ہے وہ سیدھا جاتا ہے قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ میں۔ وہاں سے صحابہ کرامؓ سیراب ہوئے، تابعینؒ، تبع تابعینؒ سیراب ہوئے اور کب سے اولیائے امتؒ سیراب ہوتے چلے آ رہے ہیں اور امت کو سیراب کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جہاں انقلاب کی بات ہوتی ہے تو ہر مؤرخ یہ لکھتا ہے کہ اسلامی انقلاب تو صوفیاء کی وجہ سے آیا، یہاں اسلام صوفیاء نے پھیلایا، برصغیر میں بھی اسلام صوفیاء نے پھیلایا۔ صوفیاء کیسے پھیلاتے ہیں، وہی

انوارات ہیں قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ کے۔ اور انبیاءؑ کے وارث بن جاتے ہیں۔ اہل اللہ بارگاہِ رسالت کے خادم بن جاتے ہیں۔ برکات وہاں کی ہوتی ہیں، یہ سبب اور ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ہر نلکے میں پانی نلکے کا نہیں ہوتا یہ کہیں پیچھے سے آتا ہے۔ ویسے ہی دیوار میں نلکا لگا لو تو نلکے میں پانی نہیں آتا، پیچھے جس کا تعلق ہو اس میں پانی آتا ہے۔ ہر تار کے آگے بلب لگا دو تو وہ جل نہیں پڑتا، پیچھے Power House سے جس کا تعلق ہو، بجلی وہاں سے آ رہی ہوتی ہے، پانی وہاں سے آ رہا ہوتا ہے۔ یہ نعمت بھی وہیں سے آ رہی ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ وہ کس عالم کے انوارات ہیں کس اعلیٰ ہستی میں جو مخلوق میں بے مثل و بے مثال ہے، رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات میں ہیں۔ وہ چراغ سینۂ اطہر ﷺ میں ہے، اسی پہ قندیل ہے، اس کی روشنی نے لاکھوں سینے منور کیے۔ چودہ صدیوں سے جو روشنی پھیل رہی ہے اسی سِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب: 46) روشنیاں بکھیرنے والا چراغ، انہی کے طفیل پھیل رہی ہے۔ اب کس کس کو اس نے کتنی دولت سے نوازا اور امین بنایا یہ اس کی شان ہے۔ کسی کو اتنی روشنی دی کہ اس کا اپنا گھر روشن رہا اور کسی کو اتنی دی کہ اس نے جہان روشن کر دیا، روشنی تو اسی کی ہے۔ جیسے ظاہری علوم، ایک عالم بڑا فاضل ہوتا ہے بڑی اچھی تقریر کرتا ہے لیکن مضمون نہیں لکھ سکتا، ایک فاضل لیکچرار بہت اچھا مضمون لکھ سکتا ہے تقریر نہیں کر سکتا۔ کسی میں ایک خوبی ہوتی ہے کسی میں دوسری ہوتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے، کئی لوگوں کے سینے منور ہو جاتے ہیں لیکن آگے تقسیم کرنے کی اہلیت بہت کم لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ کتنے بڑے بڑے نام ہماری تاریخ میں موجود ہیں، وہ اپنے پیچھے کتنے ذاکر چھوڑ گئے؟ کوئی نہیں ملتا۔ ان کے اپنے سینے تو روشن تھے لیکن آگے کسی کو نہیں دیا۔ یہ اس کا اپنا ایک نظام ہے اور کچھ کو ایسی جرأت دی کہ انہوں نے دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ حضرت معین الدین اجمیریؒ، اجمیر میں گئے تو اکیلے مسلمان تھے۔ نوے سال کی عمر میں وہاں پہنچے، تیس سال رہے۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں وصال ہوا تو کہتے ہیں ڈیڑھ لاکھ کے قریب مقامی مسلمان ان کے جنازے میں تھے جو ان کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ یہ اللہ کی اپنی عطا ہے، دین ہے۔ ایک ایک بندے نے ایک ایک ملک کی قسمت بدل دی تو کسی نے گھر کو روشن رکھا اور کسی نے جہان روشن کر دیا۔ سینکڑوں سال بعد وہ نورِ معرفت جوان بلندیوں سے آیا وہ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت مدنیؒ سے، حضرت عبدالرحیمؒ کی وساطت سے نصیب ہوا۔ پھر آپ نے اسے پھیلایا اور اب تک پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ آگے بھی یہ اللہ کی تقسیم ہوتی ہے۔

ہم جب لطائف کرتے تھے تو حضرتؒ کی عادت مبارک تھی وہ سال میں چار پانچ دن چکوال کے پاس ایک گاؤں ہے موہڑہ کورچشم، وہاں ایک بزرگ تھے جن سے حضرت جیؒ زمانہ طالب علمی میں پڑھتے رہے تھے۔ تو وہ بزرگ حیات تھے، بہت ضعیف تھے تو چار پانچ دن وہاں جا کر رہتے، استادِ گرامی سے ملتے، ملاقاتیں ہوتیں، ساتھی بھی جمع ہو جاتے ذکر اذکار بھی ہوتے رہتے۔ ہم بھی وہاں جا پہنچتے ذکر ہوتے رہتے۔ تو وہاں ایک باباجی تھے، دکاندار تھے بزرگ آدمی تھے، بڑے تگڑے بندے تھے، جفاکش محنتی، عام دیہاتی سے آدمی تھے، ان کے مشاہدات بھی اچھے تھے تو میں بھی وہیں لطائف کرتا تھا تو حضرت جیؒ سے کہنے لگے کہ حضرت آپ کے دل میں تو بڑا نور آتا ہے۔ جب آپ لطائف کرتے ہیں تو وہ ایک نور آ رہا ہوتا ہے لیکن مجھے حیرت اس بات پہ ہے کہ آپ سے اس بندے میں چلا جاتا ہے اور اس سے آگے تقسیم ہوتا ہے، ہم سب کو۔ ہمیں تو کوئی خبر نہیں تھی، کوئی پتا نہیں تھا کون آگے چلائے گا، کون ہوگا لیکن وہ جو صدیوں پہلے انتظام کر لیتا ہے ناں، وہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے کتنے عرصے بعد یہ بات وقوع پذیر ہوئی۔ اس وقت تو ہم بھی لطائف کرتے تھے، برسوں ہم نے سالوں کے حساب سے لطائف کیے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے تم نے تین سال لطائف کیے۔ میں تو گنا نہیں کرتا تھا نہ دنوں کو، نہ سالوں کو، نہ گھنٹوں کو، لگے رہتے تھے ہم تو مجھے تو یاد نہیں۔ حضرتؒ فرماتے تھے تم نے تین سال لطائف کیے۔ لوگ آتے تھے، ہفتہ بھر رہتے فنا بقا تک مراقبات کر کے چلے جاتے۔ ہم لطائف پر لگے ہوئے تھے لطائف ہی کرتے رہتے۔ کوئی شکوہ نہ شکایت تین سال چلتے رہے۔ میں نے ایک دن عرض کیا،

حضرت معین الدین اجمیریؒ، اجمیر میں گئے تو اکیلے مسلمان تھے۔ نوے سال کی عمر میں وہاں پہنچے، تیس سال رہے۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں وصال ہوا تو کہتے ہیں ڈیڑھ لاکھ کے قریب مقامی مسلمان ان کے جنازے میں تھے جو ان کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔

ہمیں بات کرنے کا موقع بھی بہت کم ملتا تھا۔ حضرتؒ کے در دولت پہ جاتے، حضرتؒ کی عادت مبارک تھی، سحری کا ذکر کرواتے، نماز پڑھاتے پھر کچھ لوگ، بچے پڑھنے والے آ جاتے، چار پانچ بچے پڑھتے تھے طالبعلم، انہیں پڑھاتے پھر اشراق پڑھتے پھر گھر چلے جاتے۔ ناشتہ کرتے اپنے مطالعے میں مصروف ہو جاتے۔ ناشتہ کر کے حضرتؒ رفع حاجت کے لیے جاتے تو کوئی پانچ سو، ہزار گز دور، ویرانہ سا، ڈھیریاں سی تھیں اب تو وہ سب آبادی میں آ گیا۔ قبرستان تھا، اس کے آگے ویرانہ تھا، ڈھیریاں سی تھیں تو وہاں تک جو بھی وہاں ہوتا، ان میں سے ایک بندہ پانی کا استاوہ (لوٹا) لے کر ساتھ جاتا۔ تو وہ وقت ہوتا تھا کہ ہم کوئی بات کر لیں تو پھر ہم باریاں بنائے رکھتے تھے کہ یار آج میں نے بات کرنی ہے آج میں کوزہ لے کر جاؤں گا۔ کبھی دوسرا کہتا آج مجھے جانا ہے۔ ایک دن میں نے کہا کہ یار آج میں نے بات کرنی ہے تو میں کوزہ لے کر گیا۔ واپسی پر میں نے عرض کی کہ حضرت عمر تو جا رہی ہے لطائف کرتے تو کبھی مجھے مراقبات بھی ہوں گے۔ فرمانے لگے، تمہیں انتہا تک ہوں گے۔ اب وہ بات یاد آتی ہے، وہ زمانے گئے، وہ وقت گئے لیکن وہ بات اب سمجھ میں آتی ہے۔ بہر حال اللہ کریم نے حضرتؒ کے وصال کے بعد اس کا سبب مجھے بنا دیا۔ یہ اس کی عطا ہے، یہ اس کا انعام ہے لیکن اس کے آثار شروع سے شروع ہو گئے تھے۔ الحمدللہ! اس میں میرا کوئی کمال نہیں، کہاں کی برکات ہیں کہاں آتی ہیں۔ بھئی اگر کھمبے سے لائٹ روشن ہو رہی ہے اور بڑی روشنی ہے تو بات تو پیچھے پاور ہاؤس کی ہے، اس میں کھمبے کا کیا کمال ہے۔ ہم تو کھمبے ہیں بھئی! روشنی تو وہاں سے آ رہی ہے ناں، پھر اللہ کریم کو یہی منظور تھا۔

میں بڑا عرصہ پریشان رہا۔ کچھ لوگوں کو یہ بھی وسواس ہوتا ہے انہوں نے بیٹے کو جانشین بنا لیا۔ میں نے نہیں بنایا۔ جمعہ ہے، مبارک دن ہے، نبی کریم ﷺ کا منبر ہے، اللہ کی مسجد ہے، اللہ کا گھر ہے، میں بتا رہا ہوں میں نے نہیں بنایا۔ میں تو پوری جماعت میں تلاش کرتا رہا۔ مجھے ایک فکر رہتی تھی کہ زندگی تو کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے، آگے اسے چلائے گا کون؟ بلکہ میں نے اپنے طور پر کئی ساتھی مارک بھی کیے، بتایا نہیں کسی کو۔ دل میں تھا کہ ہو سکتا ہے یہ چلا لے لیکن پھر جب دیکھا تو دیکھا کہ نہیں، اس کی Capacity تو نہیں بنتی، کمزوری دکھا جاتا ہے، یہاں تو بڑا استقل مزاج بندہ چاہیے۔ تنگ آ کر میں نے حضرت جیؒ سے عرض کی۔ یہیں ذکر کرانے کے بعد، مراقبات ساتھیوں کو کرانے کے بعد، یہیں دفتر میں بیٹھا تھا۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں عرض کی میں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گیا ہوں، کوئی بندہ تو چاہیے ناں جسے میں بقائمی ہوش وحواس سپرد کر سکوں، دیکھ سکوں۔ تو آپ نے عبدالقدیر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ جو ہے۔ بھئی یہ کیا کریں گے۔ بھئی کرنے کے کیا تم ذمہ دار ہو؟ وہ تو اللہ کا کام ہے جس سے کام لینا چاہے۔ تو اسے حضرتؒ نے مقرر کیا میں نے نہیں کیا۔ ظاہری دلیل بھی اس کی یہ ہے کہ مغرب کے کفرستانوں میں بھی اس سے فائدہ ہو رہا ہے، میں مقرر کرتا تو نہ ہوتا۔ یہ مشائخ کی برکات ہیں جو ہو رہا ہے۔ اگر میں اسے مقرر کرتا تو میرے مقرر کرنے سے اتنا فائدہ نہ ہوتا، اس میں تو خود غرضی آ جاتی، اپنا ایک لالچ آ جاتا۔ چونکہ مشائخ کی تائید ہے تو اس لیے فائدہ ہو رہا ہے۔ یہاں جو کام کرتا ہے اس کی برکات بھی ظاہر ہیں۔ تو یوں ایک اس کا حصہ عمومی ہے ایک خصوصی ہے۔ عمومی ہر فرد و بشر پہ تقسیم ہوتا ہے، نیک و بد، مومن و کافر سب پہ، جو جس میں ہے اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کافر کا کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے، بدکار کا برائی میں اضافہ ہو جاتا ہے، نیک کا نیکی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا عمومی پہلو ہے۔ جیسے بارش برستی ہے تو کھیتوں پہ بھی برستی ہے، روڑیوں پر بھی برستی ہے جنگلوں پر بھی برستی ہے، جنگل بھی اگتے ہیں اور کھمبیاں بھی اُگتی ہیں، کھیتوں میں بھی جھاڑ جھنکار اُگنے لگ جاتا ہے۔ اب یہ کسان کی ذمہ داری ہے کہ کھیتوں کو بچائے اور اس عمومی بارش سے جو جھاڑ جھنکاڑ اُگتا ہے اسے صاف کر لے۔ ہر مسلمان کھیتی کا وارث ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ برائیوں کو مٹائے، ان میں شامل نہ ہو، دین کو چھوڑ کر رسومات نہ اپنائے، رسومات کو چھوڑ کر دین اپنائے۔ یہ جو سالانہ تہوار بن گئے ہیں اور اس کے ساتھ روایات گھڑ کے لکھ دی گئی ہیں کہ اس ایک رات میں سال کے گناہ معاف کرا لو۔ یہ سب جھوٹ، غلط اور گھڑی ہوئی روایات ہیں اور ان پہ علماء نے بڑی جرح کی ہے، یہ بنائی گئی کہانیاں ہیں۔ آج یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ شب قدر حضور ﷺ کی کیسے گزری۔ صحابہؓ نے نہیں دیکھی؟ انہوں نے کیوں نہیں منائی؟ آج آپ کو کس نے بتا دیا اور وہ جو ہمہ وقت چشم دید گواہ تھے انہوں نے کیوں نہیں دیکھی؟ اگر دیکھی ہے تو پھر وہ مناتے۔ تو یہ سارے قصے کہانیاں ہیں، تہوار بنا لیے، کسی نے پیسے بنا لیے کسی نے حلوہ کھا لیا، کسی نے

رونق میلہ دیکھ لیا۔ عورتوں کو سٹیج پہ بٹھا دیا جی نعت پڑھیں۔ خواتین تو قرآن نہیں پڑھ سکتیں اونچی آواز میں، اذان نہیں دے سکتیں، نعت عورت نے کیا پڑھنی ہے۔ نعتیں پڑھتا کون ہے، نعت تو پڑھی ہی نہیں جاتی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مجھے یہ مل جائے، مجھے وہ مل جائے۔ یہ کون سی نعت ہے۔ نعت تو حضور ﷺ کی تعریف کا نام ہے، حضور ﷺ کا ذکر تو نہیں ہوتا۔ وہ تو یہ ہوتا ہے مجھے یہ دو، مجھے وہ دے دو، تو یہ کون سی نعت ہے؟ دین رسومات کا نام نہیں ہے، دین لمحے لمحے کو اللہ کی اطاعت میں صرف کرنے کا نام ہے، دین ہر لمحے کو نبی کریم ﷺ کی غلامی میں بسر کرنے کا نام ہے، دین ماننے کا نام ہے، اپنی منوانے کا نام دین نہیں ہے۔ یہ عمومی شعبہ تھا۔ جو خصوصی تھا میں نے عرض کر دیا کہ اس میں جو خصوصی شعبہ ہے وہ الگ ہوجاتا ہے۔ وہ چراغ قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ ہے، وہ طاق سینۂ اطہر ہے۔ پھر آگے جہاں چراغ بنتا ہے وہی سینہ اس کی حیثیت کے مطابق وہ طاق بھی بن جاتا ہے، اسی پہ قندیل بھی آجاتی ہے۔ تو وہ یہ چودہ صدیوں کا سفر کرتا ہوا، ایک نسبت، نسبتِ اویسیہ، باقی نسبتیں عالم میں عام ہیں اللہ سب کو ترقی دے۔ سب کو لوگوں کی بہتری کا سبب بنائے۔ ایک نسبتِ اویسیہ یہ اس طرح سے جن حضرات کے اسمائے گرامی میں نے گنے ان سے ہوتی ہوئی حضرت جیؒ تک پہنچی۔ آگے اللہ کریم نے مجھ خطا کار سے یہ ذمہ داری لینی تھی اس کا کرم ہے۔

ان کا کرم تو ان کا کرم ہے
ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

اس نے نواز دیا، وہ قبول فرمائے۔ خامیوں، کمزوریوں، کوتاہیوں، گناہوں کے باوجود اس نے عطا کر دیا، اپنی سی کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ قبول فرمائے۔ خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ بھول چوک معاف کرے، محنت قبول کرے۔ اور آگے وہی چراغ عبدالقدیر کے سینے میں روشن ہے۔ اس سے آگے کہاں ہوگا، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اس کا مسئلہ ہے جب اس کی باری آئے گی تو سوچتا رہے گا۔ ہم پرائے بارے میں کیوں سوچیں؟ اپنے پورے نہیں ہوتے پرائی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جہاں اپنی ذمہ داری ہے وہاں تک فکر کو محدود رکھنا چاہیے۔ ہمارے پتا ہے مسائل کیا ہیں؟ وہ فلاں کیا کرے گا، فلاں کیا کرے گا، اپنا کسی کا مسئلہ ہی نہیں ہوتا ادھر اُدھر سوچ سوچ کر پریشان ہوتے ہیں، بھئی اپنا کام کرو۔ ہماری اپنی جہاں تک فکر تھی ہم نے کوشش کی، حضرتؒ نے وہ مصیبت حل کر دی، مسئلہ طے ہوگیا۔ اب آگے کیا ہوگا اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے، جو آگے آئے گا وہ خود سوچتا رہے گا، اس کی باری آئے گی تو وہ دیکھ لے گا۔ ہمیں فکر کی ضرورت نہیں۔ اپنی نوکری نبھ جائے، اپنی غلامی قبول ہوجائے، اپنی محنت کنارے لگ جائے اس سے بڑی کیا بات ہے۔ اور یہ سلسلہ جب تک یہ عالم قائم ہے قائم رہے گا، خواہ زیرِ زمین سفر کرے خواہ روئے زمین پر کرے۔ حضرتؒ کی پیشگوئی مجھے یاد ہے، فرماتے تھے کہ جب امام مہدی مبعوث ہوں گے اور نزولِ عیسیٰؑ ہوگا تو ہماری جماعت کے ساتھی ان کے ساتھ شریک ہوں گے۔ تب تک تو یہ جماعت انشاء اللہ جائے گی۔ اب اس کے آگے قیامت ہی ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ جب پوچھا گیا آپ ﷺ سے کہ قیامت کب قائم ہوگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اللّٰہُ اللّٰہُ (مسلم) جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا قیامت قائم ہوجائے گی۔ تو قربِ قیامت تک تو انشاء اللہ جائیں گے، نصیب کی بات ہے کون اس دریا سے سیراب ہوتا ہے، کون نامراد رہتا ہے، یہ اللہ کی تقسیم ہے۔ اپنا اپنا نصیب، اپنا اپنا خلوص، اپنا اپنا ارادہ ہے، کون دل کا برتن سیدھا رکھتا ہے، بارش برس رہی ہے اب برتن کسی نے الٹا رکھا ہوا ہے تو اسے بارش سے کیا فائدہ۔ کون دل کا پیالہ سیدھا رکھتا ہے کون کتنے انوارات سمیٹتا ہے۔ دامن کو بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔

> یہ جو سالانہ تہوار بن گئے ہیں اور اس کے ساتھ روایات گھڑ کے لگا دی گئی ہیں کہ اس ایک رات میں سال کے گناہ معاف کرالو۔ یہ سب جھوٹ، غلط اور گھڑی ہوئی روایات ہیں اور ان پہ علما نے بڑی جرح کی ہے، یہ بنائی گئی کہانیاں ہیں۔

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

یہاں جب عطا کرتے ہیں تو دامن بھی بڑھا دیتے ہیں۔ ہمارا تو حال یہ ہے ناں کہ ایک ساتھی نے کہا وہ جی میرے مراقبات ہو گئے، میری روحانی بیعت بھی ہو گئی، اب مجھے کیا چاہیے، میں اور محنت کیوں کروں۔ خدا کے بندے تمہیں گاڑیاں مل جائیں، مربعے زمینیں جائیدادیں مل جائیں، کوٹھیاں کاریں مل جائیں پھر آ کر کہتے ہو اور چاہیے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 21 پر)

سورۃ العنکبوت/سورۃ الروم

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

صورتِ عمل بدون حقیقت معتد بہ نہیں:

قولہ تعالیٰ: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ (العنکبوت:65)

ترجمہ: پھر جب لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات ملتی ہے تو مکر جاتے ہیں۔

''ان کا یہ اخلاص اگر دل سے نہ تھا تب تو اس میں دلالت ہے کہ محض صورتِ عمل کافی نہیں اور اگر دل سے تھا تو اس پر دلالت ہے کہ عمل بدون استقامت کافی نہیں۔''

فرمایا، اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کشتی میں بیٹھے تو اللہ کو خوب یاد کیا اور بڑی دعائیں کیں، جب خشکی پر سلامتی سے آ گئے تو پھر بھول گئے اور اپنی عیش و عشرت میں لگ گئے۔ تو فرمایا دو باتیں یہ ہیں کہ یا تو ان کا وہ پکارنا خلوص دل سے تھا ہی نہیں، محض رسماً تھا۔ اگر رسماً تھا تو پھر اس بات پر دلالت ہے کہ اعمال میں خلوص نہ ہو تو ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انہوں نے خلوص سے پکارا لیکن جب خشکی پر آئے تو بھول گئے۔ تو فرمایا اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ اگر عمل میں خلوص بھی ہو تو اس پر استقامت اور مداومت شرط ہے۔ یہ نہیں کہ خلوص کے ساتھ ایک دن کیا پھر چھوڑ دیا۔ اسے عمر بھر نبھانا شرط ہے۔

مجاہدہ کا مفتاح مشاہدہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت :69)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھا دیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

''اس میں دلالت ہے کہ مجاہدہ مفتاح مشاہدہ ہے۔''

جو اللہ نے فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا جو ہمارے لئے، ہماری رضا کی خاطر، ہمیں پانے کی خاطر محنت، مجاہدہ، مشقت کرتے ہیں ان کو ہم اپنے رستے دکھا دیں گے۔ فرمایا اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ مجاہدہ اگر خلوص سے ہو تو قرب الٰہی کی، رضائے الٰہی کی، وصول الی اللہ کی مفتاح ہے، چابی ہے۔

سورۃ الروم

حیات پر نظر رکھ کر حقائق سے غفلت کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم:7)

ترجمہ: یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

''اس میں اس شخص کی جہالت کا اظہار ہے جو اپنی نظر کو صرف دنیا کے مزخرفات و لذات محسوسہ تک مقتصر رکھتا ہے اور آخرت سے جو کہ مقصود ہے غافل رہتا ہے۔''

فرماتے ہیں زندگی کا مقصد حصول آخرت ہے۔ لیکن بعض لوگ دنیا میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ ساری زندگی صرف دنیا کے حصول پر صرف کر دیتے ہیں اور آخرت سے غافل ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا ردّ کیا گیا ہے۔

بعض اہل طریق کی سیاحی کی اصل:

قولہ تعالیٰ: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (الروم:9)

ترجمہ: کیا لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔

''اس میں بعض اہل طریق کی اس عادت کی اصل ہے کہ بلاد میں سیاحی کیا کرتے ہیں جس میں مصالح دینیہ ہوتے ہیں۔''

قرآن حکیم میں ہے کہ کیا لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ یہ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ تو فرمایا اس میں بعض اہل اللہ بھی جب زمین میں سیاحت کرتے ہیں تو اس سے مراد ان کے دینی فوائد حاصل کرنا ہوتے ہیں یا عبرت حاصل کرنا ہوتی ہے۔

استحقاق حمد میں صفاتِ جمال وصفاتِ جلال کا یکساں ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الروم:17)

ترجمہ: سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت۔

''اوپر مومنین اور کافرین کا حال بیان فرمایا ہے پھر اس پر امر بالتسبیح کا متفرع فرمانا (جیسا فاء کا مدلول ہے) اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ جس طرح اپنی صفاتِ جمال کے ظہور کے سبب ثناء کا اہل ہے اسی طرح اپنی صفاتِ جلال کے ظہور سے بھی اس کا اہل ہے۔''

فرمایا، کافر کا حال بیان فرمایا پھر مومن کا حال بیان فرمایا اور پھر حکم دیا اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ تو اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ جس طرح اپنی صفاتِ جمال کے ظہور سے اللہ ثناء کا اہل ہے اسی طرح اپنی صفاتِ جلال سے بھی ثناء کا اہل ہے۔ یعنی جس طرح وہ لوگوں پہ کرم فرماتا ہے، مہربانی فرماتا ہے، نعمتیں عطا کرتا ہے، اس کی تسبیح کی جاتی ہے اسی طرح جب کسی پر اس کا غضب نازل ہوتا ہے تو بھی وہ تسبیح کا مستحق ہے۔ اس کی تسبیح ہی کی جاتی ہے کہ وہ بھی عین انصاف ہوتا ہے۔ اللہ کریم زیادتی نہیں فرماتے۔ جو اس کے جلال کو دعوت دیتا ہے جو اس کے غضب کو دعوت دیتا ہے اسی پر اس کا غضب ہوتا ہے۔

ازواج کی محبت میں اور کمال میں تنافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۔ (الروم:21)

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بی بی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

''اس میں دلالت ہے اس پر کہ بیبیوں کی طرف میلان ہونا حق تعالیٰ کے احسانات سے ہے کیونکہ یہ موقع امتنان کا ہے، بس اس سے معلوم ہوا کہ یہ میلان منافی کمال نہیں جیسا بعض زاہدانِ خشک سمجھتے ہیں۔''

شادی کرنا، بیوی کی طرف طبعی طور پر میلان ہونا، محبت کرنا، اس کی ضرورتوں کا، احوال کا احساس رکھنا، اس کی عزت وآبرو اس کی جان کا تحفظ کرنا، یہ ساری باتیں کمال کے منافی نہیں ہیں۔ اور سب سے کامل انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ نے بھی شادیاں کی ہیں۔ ایک نظام قدرت ہے اور اللہ نے انسان کے لئے یہ جوڑا بنایا ہے میاں بیوی کا اور اس میں اس کے لئے سکون ہے آرام ہے لہٰذا بعض زاہدانِ خشک اسے منافی کمال سمجھتے ہیں۔ زاہدانِ خشک سے مراد ہوتا ہے کہ جن کے پاس قلبی کیفیات تو نہیں ہیں لیکن بہت سی تسبیحات اور سجدے اور مجاہدہ بڑا کرتے ہیں لیکن حقیقتِ ذکر ان کے پاس نہیں ہے۔ تو ان کا خیال ہے کہ بیوی کا ہونا یا شادی کا ہونا یا بال بچوں کا ہونا یہ کمال کے منافی ہے۔ فرمایا یہ غلط ہے، یہ اللہ کا احسان ہے اللہ کی نعمت ہے اور منافی کمال نہیں یعنی کمال کے خلاف نہیں۔

نوم اور اکتساب مال میں اور کمال میں تنافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۔ (الروم:23)

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے۔

"اس سے معلوم ہوا کہ استراحت کے لئے سونا اور اسی طرح اسباب معاش کا حاصل کرنا یہ منافی کمال نہیں کیونکہ موقع منت میں ذکر فرمایا ہے تو ایسی چیز منافی کمال کیسے ہوگی البتہ ان میں انہماک ممنوع ہے۔"

فرماتے ہیں کسی بھی صوفی کے لئے، کامل کے لئے، اللہ کے بندے کے لئے سونا یا آرام کرنا یا آرام کے لئے لیٹنا کمال کے منافی نہیں ہے کہ اللہ نے اپنے احسانات میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ہاں اس میں انہماک کہ پڑے رہنا، کچھ نہ کرنا یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ہر چیز میں اعتدال ضروری ہے اور آرام کے لئے لیٹ لینا یا سوجانا یعنی جاگنا بھی ضروری ہے سونا بھی ضروری ہے۔

خوف وطمع طبعی کا منافی کمال نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الروم:24)

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے۔

"چونکہ خطاب اپنے عموم سے کاملین کو بھی شامل ہے اس عموم سے یہ اس پر دال ہے کہ خوف وطمع طبعی منافی کمال نہیں۔"

فرمایا اس میں ہے کہ اللہ تمہیں کبھی بجلی دکھاتے ہیں جس سے اس کے بندے ڈرتے بھی ہیں اور امید بھی رکھتے ہیں کہ باران رحمت ہوگی، اس سے فصل اچھی ہوگی۔ تو اسی طرح فرمایا اس میں ناقص کامل سب شامل ہیں يُرِيْكُمُ تم سب کو اللہ کریم نے اس میں شامل فرمایا اور فرمایا طبعی طور پر خوف کا ہونا، طبعی طور پر امید کا ہونا کمال کے منافی نہیں کہ کاملین بھی انسان ہوتے ہیں اور انسانی مزاج ان میں بھی ہوتا ہے۔

مثال اور مثل میں فرق اور حق تعالیٰ کے لئے اول جواز اور ثانی کا امتناع:

قولہ تعالیٰ: وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (الروم:27)

ترجمہ: اور اسی کی شان اعلیٰ ہے۔

"مثل بفتحتین بمعنی مثال ہے، اس کا اثبات مطلقاً اس آیت میں اور اس کا ایراد جزمیاً، دوسری آیات مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور:35) ہیں اور مثل بکسر المیم و سکون الثاء کی نفی آیت لیس کمثلہ شئ میں دال ہے اس پر کہ حق تعالیٰ کے لئے مثال کا استعمال جو کہ توضیح کے لئے ہوتی ہے بشرطیکہ خلاف شان حق تعالیٰ کے نہ ہو، جائز ہے اور مثل کا ناجائز ہے۔ اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ مثال کے معنی ہیں مشارك في الوصف اور مثل کے معنی ہیں مشارك في النوع۔"

یعنی حق تعالیٰ کے لئے مثال دینا جو اس کی شان کے لائق ہو وہ درست ہے۔ چونکہ مثال کا مطلب ہوتا ہے مشارق في الوصف یعنی کسی صفت میں شراکت تو صفت میں جو شراکت ہوتی ہے وہ اپنی اپنی شان کے مطابق ہوتی ہے جیسے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (الفتح:10) يَدُ انسانی ہاتھ کے لئے بھی استعمال ہوا اور قرآن میں ہے کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے اور يَدُ دست قدرت کے لئے بھی استعمال ہوا۔ تو ایک صفت میں مشارکت ہوگئی لیکن يَدُ جب اللہ کی طرف منسوب ہوا تو اس کی شان کے لائق ہوا اور جب بندے کی طرف منسوب ہوگا تو بندے کی حیثیت کے لائق ہوگا۔ اسی طرح آتا ہے کہ تم نے دنیا میں ہمارا ذکر بھلا دیا تھا آج ہم نے تمہیں بھلا دیا۔ اب بھولنا اللہ کی شان کے خلاف ہے تو اس میں حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کے اوصاف سلبیہ اللہ کی طرف منسوب کئے جائیں تو اس سے معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ معنی بعید وہ ہوتا ہے جو اس کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی بھولنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے آپ کسی چیز کو بھول گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گل سڑ رہی ہے یا کوئی چور لے گیا ہے یا ٹوٹ گئی ہے تو جب وہ ہمیں یاد ہی نہیں تو ہمیں کیا فکر ہوگی۔ اللہ کی طرف اس طرح کا وصف منسوب ہوگا تو اس کا معنی بعید مراد ہوگا یعنی اللہ کو ان لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس گھاٹی میں ہلاک ہوتے ہیں، کس جہنم میں جل رہے ہیں یا وہ کیسے تباہ ہو رہے ہیں۔ تو فرماتے ہیں مثال میں مشارکت جائز ہے اس لئے کہ جب وہ اللہ کی طرف منسوب ہوگی تو اس کی شان کے مطابق ہوگی

اور جب بندے کی طرف منسوب ہوگی یا مخلوق کی طرف منسوب ہوگی تو اس کی حیثیت کے مطابق ہوگی لیکن مثل میں اشتراک جائز نہیں۔ مشارکت اوصاف میں ہوتی ہے اور مثل ذات میں ہوتی ہے۔ تو اللہ کی مثل کوئی نہیں اور ایسا کوئی دوسرا نہیں۔

اتباع ھواء کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ۚ (الروم:29)

ترجمہ: بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے۔

"اس میں اتباع کا مذموم اور ناشی عن الجھل ہونا مصرح ہے۔"

اس میں بتایا گیا ہے کہ محض اتباع کہ باپ دادا ایسا کرتے تھے اس کی بنیاد جہالت ہے اور یہ اچھا نہیں ہے، یہ غیر پسندیدہ ہے، مذموم ہے۔ یعنی اتباع کے لئے یہ سند چاہیے کہ اگر باپ دادا اللہ کے حکم پر عمل کرتے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے تھے تو وہ بات باپ دادا کی تو نہ ہوئی وہ تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہوگئی۔ اسی طرح علمائے حق یا پیران عظام یا مشائخ کرام جو کچھ کرتے ہیں پھر اس کی اصل دین میں موجود ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو پھر تو وہ اتباع باپ دادا کا یا پیروں کا، علماء کا نہیں ہے وہ اتباع اللہ کے احکام کا ہے۔ لیکن اگر اس کی اصل دین میں نہیں ہے اور محض اس لئے ہم پیروی کرتے ہیں کہ یہ ہمارا خاندانی رواج ہے ہمارے باپ دادا اس طرح کرتے تھے۔ تو پھر اس کی بنیاد جہالت ہے۔ اور یہ ناپسندیدہ چیز ہے۔ غلط چیز ہے۔ اگر گناہ نہیں ہے تو بھی برائی ہے۔ اگر گناہ ہے تو اور بڑی برائی ہوگئی اور اگر کفر اور شرک تک نکل گئی تو اور بڑی برائی ہوگئی۔

فطریات کا تبدل نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ (الروم:30)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے۔

"یہ اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ فطریات میں تبدل نہیں، ہاں ریاضت سے تعدیل ہو جاتی ہے اور یہ فن کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔"

فرماتے ہیں جو فطرت اللہ نے بنا دی ہے وہ تبدیل نہیں ہوتی اور اسے ہونا بھی نہ چاہیے اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ نے جسے مرد بنایا ہے اسے مرد نظر آنا چاہیے، اسے عورتوں جیسا حلیہ نہیں بنانا چاہیے۔ جس کو خاتون پیدا کیا ہے اسے خاتون نظر آنا چاہیے، اسے مردوں جیسا حلیہ نہیں بنانا چاہیے۔ یعنی جس طرح اللہ نے پیدا فرمایا ہے اس حقیقت کو نہیں بدلنا چاہیے، یہ تو ظاہر کا ہے۔ باطن کا یہ ہے کہ فطرت جو اللہ نے بنا دی ہے وہ بدلتی نہیں۔ ظاہر کو تو انسان لیپ پوت کر بدل لیتا ہے لیکن تخلیقی طور پر جو فطرت بنا دی وہ بدلتی نہیں۔ ہاں ایمان لائے، نیکیاں کرے مجاہدہ کرے تو اس میں عدل آ جاتا ہے۔ وہ متوازن ہو جاتی ہے۔ وہ صحیح ہو جاتی ہے۔ بگڑنے سے گھٹ جاتی ہے۔ اس میں دونوں طرح کے احتمال موجود ہوتے ہیں کہ انسان کا عمل خراب ہو تو وہ بگڑنا شروع ہو جاتی ہے، اور انسان کا عمل درست ہو تو سنورنا شروع ہو جاتی ہے۔ تو فرماتے ہیں ریاضت اور مجاہدے سے اس میں تعدیل ہو جاتی ہے یعنی عدل ہو جاتا ہے خوبصورت ہو جاتی ہے۔ بہتر ہو جاتی ہے۔

طبیعت انسان کا ہدایت وضلال سے مرکب ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ (الروم:33)

ترجمہ: اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔

"اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی طبیعت ہدایت اور ضلال سے مرکب ہے۔ مصیبت کے وقت ہدایت کا ظہور ہوتا ہے اور زوال مصیبت کے بعد میں ضلالت کا۔ ہذا حاصل فی الروح"

فرماتے ہیں طبعی طور پر انسان کے مزاج میں ہدایت بھی ہے اور گمراہی بھی موجود ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر بھی جب مصیبت آتی ہے پھر وہ اللہ کو پکارتے ہیں یعنی وہ جو فطری ہدایت کا جذبہ اندر ہے وہ بیدار ہو جاتا ہے اور جب تکلیف رفع ہو جاتی ہے تو پھر بھول جاتے ہیں اور پھر اپنی اسی پرانی روش پر چلے جاتے ہیں۔

شر کا غیر مقصود بالذات ہونا:

قولہ تعالیٰ: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ (الروم:41)

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں۔۔۔۔الخ۔

''اس میں اشارہ ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں بلکہ مثل شگاف زخم کے ہے۔'' (کہ مقصود صحت ہوتی ہے اور شگاف محض اس کا ذریعہ)

سبحان اللہ! بڑی خوبصورت بات ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ زمین میں، خشکیوں میں، تریوں میں ہر جگہ تباہی آ گئی تو اس میں ہے لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي کہ ان کے بعض کاموں کا نتیجہ انہیں دکھایا گیا ہے کہ شاید وہ اللہ کی طرف رجوع کر لیں۔ توبہ کر لیں۔ تو فرماتے ہیں اس طرح کی مصیبتیں بھی آتی ہیں تو اس سے مراد انسانوں کو تکلیف دینا نہیں ہوتا بلکہ ہدایت دینا مطلوب ہوتا ہے کہ شاید مبتلاءِ مصیبت ہو کر یہ توبہ کر لیں۔ فرمایا یہ اسی طرح ہے جس طرح ڈاکٹر آپریشن کر کے زخم لگاتا ہے تو وہ زخم مریض کو تکلیف دینے یا دکھی کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اسے صحت یاب کرنے کے لئے چیر پھاڑ کرنا پڑتی ہے۔ من جانب اللہ بھی کوئی تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں تو منشاءِ ایزدی لوگوں کو تکلیف دینا نہیں بلکہ انہیں توبہ کی طرف لانا ہوتا ہے۔

مراقبہ تجلی افعالی:

قولہ تعالیٰ: فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ (الروم:50)

ترجمہ: سو رحمت الٰہی کے آثار دیکھو۔

''اس میں تجلی افعالی کے مشاہدہ کا حکم ہے۔''

تجلی افعالی یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ بیشمار سبزہ پیدا ہو رہا ہے، پھول بن رہے ہیں، خوشبو الگ ہے، تاثیر الگ ہے۔ بیشمار جانور پرندے پیدا ہو رہے ہیں، ایک معمورہ عالم آباد ہے تو تجلی افعالی ہے کہ اللہ سے ہے۔ اللہ کی تجلی سے یہ سارا ظہور پذیر ہو رہا ہے تو اس میں غور کرنا کہ اس پر غور و فکر کرنے سے عظمت الٰہی کا احساس ہوتا ہے۔

ایصال کا کسی کے قبضہ میں نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ (الروم:52-53)

ترجمہ: سو آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے۔

''تینوں جملے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبیؑ کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے، تو بعض لوگ کیسے گمان کرتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیوخ کے اختیار میں ہے۔''

یعنی یہ جو لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ بندے کو کامل بنا دیتا ہے یہ باطل ہے۔ ہدایت نہ انبیاءؑ کے اختیار میں ہے نہ اولیاء کے اختیار میں ہے۔ ہدایت دینا اللہ کریم کا اپنا کام ہے۔ بات پہنچانا انبیاءؑ کا کام ہے اور انبیاء کی پیروی میں اہل اللہ اور علمائے حق کا کام وہی ہے کہ اللہ کی بات پہنچا دیں اور ہدایت دینا نہ دینا یہ اللہ کی مرضی ہے۔ شیخ محنت کر سکتا ہے، مجاہدہ کرا سکتا ہے، توجہ دے سکتا ہے لیکن ترقی دینا منازل عطا کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔ یہ شیخ کا کام نہیں ہے۔

فعل کے لئے استعداد کا شرط ہونا:

قولہ تعالیٰ: إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا (الروم:53)

ترجمہ: آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں۔

''اس میں ایمان کی شرط سماع ٹھہرایا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مراد ایمان سے مرتبہ استعداد کا ہے، پس فعل کا استعداد

پر موقوف ہونا اس سے ثابت ہوا۔"

کہ آپ اسے سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لایا۔تو فرماتے ہیں اصل بات تو یہ ہے کہ ایمان لائے تو پھر سنے۔تو یہ معاملہ تو الٹ ہوگیا۔اسماع سے مراد ہوتا ہے وہ سننا جو مفید ہو۔ایک ہوتا ہے سماع یعنی سننا،تو وہ تو مومن کافر سب کو حاصل ہے۔ایک ہوتا ہے اسماع وہ سننا جس سے اگلے کو نفع حاصل ہو۔تو یہاں اسماع کی بات ہو رہی ہے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سن کر نفع وہ حاصل کرتا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لایا ہو۔تو فرماتے ہیں اس میں مرتبہ استعداد کا بیان ہے۔اس میں کوئی فطری استعداد قبول ایمان کی ہے تو وہ نبیؐ سے بھی،عالم حق سے بھی،شیخ کامل سے بھی فائدہ حاصل کرسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنی فطری استعداد ہی ضائع کردی، اتنے جرائم کئے اتنے گناہ کئے کہ وہ جو فطری استعداد تھی وہی ضائع ہوگئی تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

مرشدین کو صبر کا ارشاد:

قولہ تعالیٰ: فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ الروم:60

ترجمہ: سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بد یقین لوگ آپ ﷺ کو بے برداشت نہ کرنے پاویں۔

"اس میں وارثانِ محمدی کو جو کہ اہل ارشاد ہیں،ارشاد ہے منکرین کے مکارہ پر صبر کرنے کا۔"

فرمایا اس آیہ مبارکہ میں سلوک کا مسئلہ یہ ہے کہ اہل اللہ جو برکات نبوی کے وارث ہیں اور حامل ہیں اور جن کو نصیب ہیں انہیں منکرین کی ایذا پر یا ان کے اعتراضات پر یا ان کی خرافات پر پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ صبر کا مظاہرہ کریں اور ان کو کوئی اہمیت نہ دیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 15 سے آگے

دنیا میں تو اور سے اور چاہیے اور دین میں بس گزارہ ہوگیا ٹھیک ہے۔ دنیا میں کیوں نہیں کرتے ہو کہ دال روٹی تو ہے امریکہ جانے کی کیا ضرورت ہے۔دال روٹی تو گھر میں ملتی ہے دوبئی جانے کی کیا ضرورت ہے۔کیوں بھاگ کر جاتے ہو اور زیادہ کمانے کے لیے اور دین میں کہتے ہو یہ لطائف تو ہوگئے اب کافی ہیں، مجھے اور کیا ضرورت ہے۔دنیا کا لالچ چھوڑو، لالچ دین میں کرو۔وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین:26) جس نے لالچ ہی کرنا ہے وہ جنت کا کرے، آخرت کا کرے،نجات کا کرے۔اگر لالچ ہی کرنا ہے تو پھر دنیا کے لالچ کا کیا فائدہ، یہ تو چھن جائے گی، رہ جائے تو یہ۔اس کا آخری شعبہ اس دن رہ گیا تھا اس پہ گھنٹہ اور لگنا تھا تو الحمدللہ یہ آپ کی امانت تھی ساتھیوں کی،احباب کی، عامۃ المسلمین کی، الحمدللہ آپ تک پہنچی۔اللہ کریم قبول فرمائے اور توفیقِ عمل فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ٥

بقیہ صفحہ نمبر 34 سے آگے

قلب پر جب زنگ جم جاتا ہے۔قرآن نے اُسے زنگ کہا ہے۔كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (المطففین:14) ان کے دلوں کو زنگ لگ چکا ہے۔عینک کا شیشہ گرد آلود ہوجائے تو کچھ نظر نہیں آتا، صاف کرنا پڑتا ہے۔آنکھ بند ہوجائے تو کچھ نظر نہیں آتا۔تو یہ قلب کی آنکھ کھولی جائے۔قلب کو صاف کیا جائے۔اس قابل کیا جائے۔یہی تو سارا مجاہدہ ہے کہ اسے اس قابل کیا جائے کہ اللہ کی موجودگی کا ادراک کرسکے اور جب موجودگی کا ادراک کرے گا تو پھر اللہ کریم کے سامنے کوئی غلط کام نہیں کرے گا۔یہی سارا مجاہدہ ہے۔یہی ساری زندگی کا حاصل ہے کہ اللہ کے موجود ہونے کو قبول کیا جائے، مان لیا جائے اور اس کا ادراک ہوجائے۔دل اس پہ مطمئن ہوجائے کہ واقعی میرا اللہ، میرے پاس موجود ہے۔یہی تو چیز ہے،اسی کے لیے تو ساری محنت ہے۔اللہ کریم قبول فرمائے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ الزخرف، آیات 36 تا 45

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ
اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا
رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ
تھا تو انہوں نے فرمایا کہ یقیناً میں پروردگار عالم کی طرف سے پیغمبر (ہو کر آیا) ہوں۔ پس
اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان پر ہنسنے لگے۔ اور ہم ان کو جو نشانی
اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ
دکھاتے تھے تو وہ دوسری (نشانی) سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ باز آجائیں۔
يَرْجِعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
اور وہ کہنے لگے کہ اے جادوگر! اس عہد کے مطابق جو اس (تیرے پروردگار) نے تجھ
بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾
سے کر رکھا ہے اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دعا کر تو ہم ضرور راہ پر
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿٥٠﴾
آجائیں گے۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو انہوں نے فوراً اپنا وعدہ توڑ دیا۔
وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ
اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا یہ مصر کی حکومت میری نہیں اور یہ
وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾
نہریں میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں تو کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟
اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾
بلکہ میں بہت بہتر ہوں اس شخص سے جس کی کوئی قدر نہیں اور وہ صاف بول بھی نہیں سکتا۔
فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ
تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے پرا باندھ کر اس کے ساتھ آتے۔
مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی تو انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بیشک وہ نافرمان
فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ
لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا پھر ہم نے ان
فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾
سب کو ڈبو دیا۔ پس ہم نے اُن کو گئے گزرے اور بعد والوں کے لیے ایک مثال بنا دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ---- ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے، نبوت عطا فرمائی۔ دلائل عطا فرمائے اور انہیں فرعون اور اُس کے امرا کی طرف بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث تو ساری قوم کی طرف ہوئے تھے لیکن ذکر فرعون اور امرا کا ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ امرا ہی قوم کی قیادت ہوتے ہیں اور جدھر یہ جاتے ہیں ساری قوم اُدھر ہی جاتی ہے۔ حکمران اور طبقہ امراء جو بااثر طبقہ ہوتا ہے آج کی زبان میں یہ قوم کے لیڈر (Leader) ہوتے ہیں۔ یہ خود بھی ایک دوسرے کو لیڈر (Leader) ہی مانتے ہیں۔ تو لیڈر کا مطلب ہوتا ہے، پیش رو، آگے چلنے والا۔ Lead کہتے ہیں راستہ دکھانے کو، راہنما، آگے چلنے والا، تو قومیں ان کے پیچھے ہی چلتی رہتی ہیں۔ فرمایا، ہم نے اُن سے بات کی۔ موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ فرعون سے بات کریں، اُس کے امراء سے بات کریں، درباریوں سے بات کریں۔ کیا شان ہے رب العالمین کی! ایک شخص کے پاس بہت بڑی سلطنت ہے۔ ریاست ہے، لاؤ لشکر ہیں، دولت کے انبار ہیں، فوجیں ہیں۔ بہت بڑا فاتح ہے۔ اردگرد کی ریاستیں اُس سے لرزاں و ترساں رہتی ہیں۔ اپنی ریاست میں اپنے خدا ہونے کا دعویدار ہے۔ سجدے کرواتا ہے، اپنی عبادت کرواتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام

تہی دست ہیں۔ایک لاٹھی ہاتھ میں ہے، کمبل دوہرا کر کے کرتا بنایا ہوا ہے، اُسے اوپر سے پھاڑ کر گلا بنایا ہے اور اُس میں کانٹے لگا کے اُس کے بٹن بنائے ہوئے ہیں۔ کچے چمڑے کے جوتے پاؤں میں ہیں۔کہاں موسیٰ علیہ السلام کا ظاہری حال اور کہاں فرعون کا! فرمایا، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے دیئے۔لباس نہیں ہے تو کیا ہوا! ساتھ لوگ نہیں ہیں تو کیا ہوا! فوج نہیں ہے تو کیا ہوا! میری طاقت تو ساتھ ہے۔ میں ساتھ ہوں، تو جہاں اللہ ہے وہاں کسی اور کی ضرورت کیا ہے؟ فرمایا، فرعون سے بات کرو۔ انہوں نے کہا اللہ! میرے بھائی کو بھی میرے ساتھ کردے: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ (سورۃ طٰہٰ: 25-28) میری زبان میں ذرا لکنت ہے وہ درست کردے، وہ بھی درست ہوگئی۔قوتِ بیانیہ بھی نصیب ہوگئی۔شرح صدر بھی ہوگیا۔ اللہ نے فرمایا، اچھا آپ کے بھائی کو بھی نبوت عطا کرتے ہیں، دونوں چلے جاؤ۔اب ایک طرف پوری سلطنت، ریاست اور اُس کا والی خدائی دعویدار ہے۔دوسری طرف دو بندے تہی دست، لاٹھی لے کر کھڑے ہیں اور اُسے کہتے ہیں، تُو کچھ نہیں ہے، تیری کوئی حیثیت نہیں ہے، تُو جھوٹ بول رہا ہے، تجھے توبہ کرنی چاہئے، تجھے اللہ کی عظمت قبول کرنی چاہئے اور ہم اللہ کی طرف سے پیغمبرؑ بنا کر تیرے پاس بھیجے گئے ہیں۔ میں اللہ کا نبیؑ ہوں۔ اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔اب وہ اللہ کو مانتا ہے نہ جانتا ہے لیکن اُس کے نہ ماننے نہ جاننے سے عظمتِ الٰہی میں کوئی فرق آئے گا؟ کوئی نہیں، وہ تو اللہ ہے، اُس کی شان وہی ہے۔ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں: فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾ ۔۔۔ تو جب موسیٰ علیہ السلام نے اہلِ دربار کے سامنے فرعون سے بات کی تو انہوں نے مذاق اُڑایا۔انہوں نے کہا یہ دیکھو رسولؑ آگیا ہے۔اس کے پاس لباس ہے، نہ جوتا ہے، نہ کوئی ساتھ نوکر ہے۔نہ خادم ہے، نہ اسے بات کرنی آتی ہے۔یہ دیکھو! اسے کوئی جانتا ہے نہ پہچانتا ہے یہ اللہ کا رسولؑ آگیا: وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۔۔۔ ہم نے اُن پر اس طرح کے دلائل، اس طرح کی نشانیاں، اس طرح کی گرفت بھیجی کہ ایک سے ایک بڑھ کر آتی تھی۔ اُن پر عجیب وغریب عذاب آئے۔اُن پر مینڈک بھیج دیئے گئے تو اتنے مینڈک آگئے مصر میں کہ چولہے بجھ گئے، چولہے سرد ہوگئے۔مینڈکوں سے بستر بھر گئے، کمرے بھر گئے۔جدھر دیکھو مینڈک ہی مینڈک، کوئی چیز کھانے کو بچی، نہ پینے کو، نہ سونے کو، نہ بیٹھنے کی جگہ بچی۔جب اس طرح کی گرفت آتی تھی تو پھر موسیٰؑ سے گزارش کرتے تھے کہ دعا کرو کہ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم آپ کی بات مانیں گے۔وہ دعا فرماتے، عذاب ٹل جاتا، پھر مکر جاتے۔ اللہ کریم اور عذاب بھیج دیتے۔جوئیں آگئیں۔وہ ٹلا۔پھر پانی کو خون کر دیا۔برتن میں پانی ہوتا تھا، وہ منہ کے قریب لے جاتے تو وہ خون بن جاتا تھا۔وہ ہانڈی پکا سکتے تھے، نہ روٹی پکا سکتے تھے، نہ پی سکتے تھے کہ پانی ہی خون بن جاتا تھا، تو اس طرح کے مختلف عذاب اُن پر آئے۔جب انہوں نے میرے انبیاءؑ کا مذاق اُڑایا تو میں نے اُن پر زندگی دشوار کردی۔طرح طرح کے عذاب بھیجے اور جو عذاب آتا تھا وہ پہلے سے بڑھ کر ہوتا تھا: وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾ ۔۔۔ ہم نے یہ عذاب اُن پر اس لیے بھیجے کہ انہیں موقع ملے، سوچیں سمجھیں اور توبہ کرلیں۔یہ بھی اُس کا کرم تھا کہ دنیا میں کوئی جھلکیاں انہیں دکھائیں کہ یہ اُن کی توبہ کا سبب بن جائے، وہ ہوش میں آئیں اور دیکھیں کہ ہمارا کردار کیا ہے؟ اُس کے نتائج کیا آرہے ہیں؟ ہمیں اُس سے توبہ کرنی چاہئے۔ وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ ۔۔۔ تو پھر موسیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ تم بڑے جادوگر ہو تو اپنے پروردگار سے: ادْعُ لَنَا رَبَّكَ ۔۔۔ آپ اپنے رب سے دعا کریں یعنی خود اپنا پروردگار نہیں مانتے تھے۔تو کہتے کہ آپ دعا کریں کہ ہم سے یہ عذاب ٹل جائے تو ہم ہدایت قبول کرلیں گے اور آپ کی بات مان لیں گے۔ہم سیدھے راستے پہ آجائیں گے: فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿٥٠﴾ ۔۔۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے، ہم عذاب ہٹا دیتے تو وہ معاہدہ توڑ دیتے اور پھر کفر پہ جم جاتے یعنی کیسے بدنصیب تھے! یہ سب کیوں بتایا جارہا ہے؟

ہماری زندگی میں بھی ایسی چیزیں آتی ہیں۔ مصیبتیں آتی ہیں، بیماریاں آتی ہیں، حادثات ہوتے ہیں۔اُن میں بھی سبق ہوتا ہے۔ وقتی طور پر تو ہم متاثر ہوتے ہیں کہ یااللہ! میری توبہ۔ یااللہ! مجھے معاف کردے لیکن جب وہ حادثہ گزر جاتا ہے، ہوش بحال ہوتے ہیں تو ہم پھر پہلے جیسے ہوجاتے ہیں۔ یہاں فرعونیوں کی تاریخ بتانا مقصود نہیں ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اپنے آپ کو تلاش کرو، تم کیا کررہے ہو؟ کبھی کوئی عزیز فوت ہوجائے یا مکان گرجائے، سامان چوری ہوجائے، مال جاتا رہے، بیماری آجائے تو توبہ توبہ ہورہی ہوتی ہے۔ توبہ توبہ! جب حالات ٹھیک ہوجائیں، حادثہ پرانا ہوجائے، مکان بن جائے تو پھر ویسے کے ویسے۔ فرمایا، یہ تو فرعونیوں کا کردار تھا کہ مصیبت آتی تھی تو موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں پکڑ لیتے تھے کہ جی دعا کریں، یہ ٹل جائے۔ ہم آپ کی بات مان لیں گے اور جب وہ ٹل جاتی تو پھر ویسے کے ویسے، پھر منکر جاتے۔ فرمایا، فرعون نے تو بڑے فخر سے قوم سے کہا: وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِہٖ ۔۔۔ اُس نے اپنی قوم میں اعلان کیا: قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ ۔۔۔ اے قوم! یہ موسیٰ علیہ السلام کون سی بادشاہت کی اور جنت کی اور باغوں کی اور نہروں کی بات کرتے ہیں؟ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ سب کہیں مرنے کے بعد ہوگا۔ میرے پاس تو دیکھ لو اب اتنی سلطنت اور ریاست ہے۔ یہ مصر کی حکومت کس کے پاس ہے؟ میرے پاس تو اتنی بڑی ریاست، اتنی بڑی سلطنت، اتنی طاقتور حکومت موجود ہے: وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ ۔۔۔ اور یہ ساری نہریں اور دریا میرے ماتحت ہی چل رہے ہیں۔ جہاں سے چاہتا ہوں جدھر چاہتا ہوں، نہر لے جاتا ہوں تو میرے پاس تو اب بھی محلات ہیں۔ حکومت ہے، اقتدار ہے، نہریں میرے ہی تابع بہہ رہی ہیں: اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ۔۔۔ یہ تمہیں نظر نہیں آتا؟ یہ پتا نہیں کون سی دنیا کی بات کرتے ہیں کہ وہاں نہریں ہوں گی اور وہاں پر ایک آدمی کے پاس ریاست ہوگی، سلطنت ہوگی، محل ہوں گے یہ تو میرے پاس اب موجود ہیں بھئی اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ ۙ ۔۔۔ میں بہتر ہوں یا یہ ایک عام آدمی جس کی کوئی وقعت نہیں ہے؟ ''مَھِیْنٌ'' جسے معاشرے میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے، جو معاشرے کا ایک عام فرد ہے، کیا اس کی حیثیت ہے؟ یہ اہم ہے یا میں اہم ہوں؟ میں اتنی بڑی ریاست وسلطنت کا مالک ہوں: وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ ۝ ۔۔۔ اور یہ تو بات بھی واضح نہیں کرسکتا، اس کی تو زبان میں بھی لکنت ہے۔ یہ تو اچھی طرح بول بھی نہیں سکتا۔ اپنا مافی الضمیر بتا بھی نہیں سکتا: فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ ۔۔۔ میرے نوکروں کو میرے پہریداروں کو، میرے دربار اور میرے محل کے غلاموں کو دیکھو تو سونے سے لدے ہوئے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا رسولؐ ہے تو اسے اللہ نے سونے کے کنگن اور شاہی لباس کیوں نہیں پہنایا؟ میرے تو خادم دیکھ لو زرق برق لباس اور سونے سے لدے ہوئے ہیں، کنگن پہنے ہوئے ہیں، سونے کے ہار پہنے ہوئے ہیں۔ تو اگر یہ اللہ کا رسولؐ ہے تو اللہ نے اسے زرق برق لباس اور سونے چاندی کے کڑے کیوں نہیں پہنائے؟ یا پھر اللہ کا رسولؐ ہے تو فرشتے پَرے باندھ کر اس کے ساتھ آجاتے۔ اللہ اس کی حمایت میں بھیجتا۔

یہ ساری وہ خرافات تھیں جن میں کوئی وزن نہیں تھا۔ جب فرشتے نظر آجائیں گے، دارِعمل ختم ہوجائے گا پھر دارِ جزا شروع ہوجائے گا۔ فرشتے منکشف ہوجائیں، برزخ منکشف ہوجائے، آخرت نظر آنے لگے پھر تو کافر اور مشرک بھی چیخیں گے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ ہمیں پھر دنیا میں بھیجیں، یہی تو آزمائش ہے۔ اللہ کے نبیؐ کی بات نہ ماننا اور اپنا مشاہدہ خود دیکھ کر ماننا۔ یہ تو ایمان بالغیب مقصود ہے۔ سب کچھ نبیؐ کے حوالے سے ماننا مطلوب ہے: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ ۔۔۔ اپنی قوم کو اُس نے بیوقوف بنایا: فَاَطَاعُوْہُ ۔۔۔ انہوں نے اُس کی بات مانی۔ یہ آج کی بات نہیں ہے، انسانی مزاج شروع سے ایسا آرہا ہے کہ جو گمراہ سربراہ بن جاتے ہیں قوم کے اور امراء یا لیڈر کہلاتے ہیں، وہ قوم سے جھوٹ بولتے ہیں۔ لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں آج بھی یہی ہورہا ہے۔ سارا جھوٹ بولا جاتا ہے، یہ کردیں گے وہ کردیں گے۔ یہ ہوجائے گا، وہ ہوجائے گا۔ جب اقتدار مل جاتا ہے پھر کچھ بھی نہیں ہوتا اور ہمیشہ ایسا ہوتا آرہا ہے۔ پھر ایک نیا لیڈر کھڑا ہوجاتا ہے میں یہ کردوں گا، میں وہ کردوں گا۔ پھر اُس کے پیچھے لوگ بھاگتے ہیں۔

پھر جب وہ حکمران بن جاتا ہے وہ اُس سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ پھر بیٹھے افسوس کررہے ہوتے ہیں کہ بھئی ہمارے ساتھ تو دھوکا ہوگیا۔ پھر کوئی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے پیچھے بھاگتے ہیں، تو فرمایا: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ۔۔۔ قوم کو بیوقوف بنایا: فَاَطَاعُوْهُ۔۔۔ تو انہوں نے اُس کی بات مان لی۔ یہ کیوں قومیں بیوقوف بنتی ہیں ایک ایک آدمی کے کہنے پر؟ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۔۔۔ یہ قومیں بدکار تھیں۔ من حیث القوم یہ بدکار تھے۔ یہ دھوکا نیک آدمیوں کو گمراہ نہیں کرتا، یہ بدکاروں کو گمراہ کرتا ہے۔ ایک ایک بندے کے جھوٹ کے پیچھے تم کیوں دوڑتے ہو؟ تم بھی بدکار ہو۔ تمہارا رزق حلال نہیں ہے۔ تمہارا صدق مقال نہیں ہے۔ تمہاری عبادات درست نہیں ہیں۔ تمہارا عقیدہ صحیح نہیں ہے تو بدکاروں کو ہمیشہ دھوکے لگتے ہیں۔ فرمایا، اگر تم لوگ نیک ہو جاؤ تو کوئی بدکار تمہیں گمراہ نہیں کرسکتا۔ قوم فرعون نے اللہ کے نبیؑ کی نہیں مانی جو حق بتارہا تھا، وحی الٰہی بیان کررہا تھا، دو عالم کی کامیابی کی بات کررہا تھا اور فرعون کی مانی جس نے اُنہیں بیوقوف بنایا۔ اُلو بنایا: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ۔۔۔ قوم کو اُلو بنایا۔ یہ قرآنِ کریم اس لیے بتارہا ہے کہ ہوتا آج بھی یہی ہے۔ تو فرمایا: جو گمراہ لوگ بن جاتے ہیں سربراہ قوموں کے اور امراً اور لیڈر کہلاتے ہیں، وہ تو کرتے ہی ہیں۔ قومیں اُن کی بات کیوں مانتی ہیں جب وہ دھوکا دے رہے ہوتے ہیں؟ فرمایا، قوم کی بدبختی یہ ہوتی ہے کہ جب قوم بدکار ہوتی ہے تو وہ جھوٹ کو مانتی ہے۔ بدعملی کی اور بُرائی کی سزا یہ ہے کہ جب خود اپنے وجود میں بُرائی ہوتی ہے تو پھر وہ بُرائی ہی کو قبول کرتا ہے۔ خود جھوٹ پہ کھڑے ہوتے ہیں۔ کپڑے سفید پہنے ہوتے ہیں، دل سیاہ ہوتا ہے۔ باتیں خوبصورت ہوتی ہیں، کردار ظالمانہ ہوتا ہے۔ بظاہر خیرات کرتے ہیں حقیقتاً لوگوں کو لوٹتے ہیں تو جب یہ کردار ہوتا ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۔۔۔ یہ قوم ہی بدکار تھی، اللہ کے نافرمان تھے۔ اس لیے نبیؑ کی بات ان کے دل میں نہیں اُتری، فرعون کی بات اِن کے دلوں میں اُتر گئی۔ فرعون کی بات مان لی، موسیٰؑ کی نہیں مانی: فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا۔۔۔ جب اُنہوں نے غضب الٰہی کو بھڑکایا، حد سے گزرے نبیؑ کی مخالفت میں، ایک حد ہوتی ہے ہر بات کی۔ جب وہ حد سے گزرے: انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ۔۔۔ پھر ہم نے اُن سے بدلہ لیا: فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔۔۔ سب کو سمیٹ کے، اکٹھا کر کے غرقِ دریا کردیا۔ فرعون سے لے کر اُس کے فوجوں، لشکروں، سپاہیوں تک۔ امرائے دربار تک سب کو جمع کر کے، ایک جگہ لاکر غرقِ دریا کردیا۔ سمندر میں ڈبو دیا، تباہ ہوگئے۔ سلطنتیں رہ گئیں، ریاستیں رہ گئیں، محلات رہ گئے، باغات رہ گئے۔ جن بنی اسرائیل کو انہوں نے غلام بنا رکھا تھا اور جن پر ظلم ڈھاتے تھے اُن کو ہم نے مالک بنادیا۔ بادشاہ بنادیا، ریاست دے دی۔ محلات دے دیئے۔ مکانات دے دیئے۔ انہیں تباہ کردیا۔ سمندر میں ڈبو دیا۔ تو فرمایا، غضبِ الٰہی کو اتنا بھی نہ بھڑکایا جائے۔ یہ سب کیوں ہوا؟ نبیؑ کا سچ انہوں نے نہیں مانا فرعون کا جھوٹ مان لیا۔ یا اللہ! یہ عجیب بات ہے ایک انسان عقلمند ہو یا باہوش ہوتے ہوئے سچ نہیں مانتا اور جھوٹ مانتا ہے! تو فرمایا یہ بُرائی کا نتیجہ ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۔۔۔ قوم، من حیث القوم بدکار تھی۔ بدکار کو جھوٹ میٹھا لگتا ہے، سچ کڑوا لگتا ہے۔ انہوں نے سچ نہیں مانا، جھوٹ مانا، نتیجہ کیا ہوا؟ ہم نے تباہ و برباد کردیئے: فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ۔۔۔ ہم نے اُن کو پچھلوں کے لیے نشانِ عبرت بنادیا اور اُن کی کہانیاں بن گئیں اور قصے بن گئے اور مثالیں بن گئیں۔ مثل بن گئے، لوگ کہتے ہیں ایک فرعون اور اُس کی قوم کی طرح غرق نہ ہو جانا ہوش کرو۔ کہانیوں میں چلے گئے، عبرت بن گئے پیچھے آنے والوں کے لئے اور دنیا کے لیے عبرت کا سامان بن گئے۔ اس سے مراد فرعون کی تاریخ اور موسیٰؑ کا قصہ بیان کرنا نہیں ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ تم کہاں ہو؟ کس کی بات مانتے ہو؟ سچ کو قبول کرتے ہو تو ارشادات نبوی ﷺ اور قرآن کو مانو گے، حدیث کو مانو گے۔ جھوٹ قبول کرتے ہو تو پھر جھوٹ کے دعویدار تو بہت پھرتے ہیں، پیچھے بھاگتے رہو گے اور تباہ ہوتے رہو گے۔ غلام بنتے رہو گے رسوا ہوتے رہو گے۔ اللہ کریم حق قبول کرنے کی، سمجھنے کی اور اُس پر عمل کی توفیق ارزاں فرمائے۔

شرح مشکوٰۃ المصابیح

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً, فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ, وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایمان کی چند اوپر ستر شاخیں ہیں۔ ان میں سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔ اور سب سے کمتر تکلیف دہ چیز کا راستہ سے دور کرنا ہے اور حیا ایمان کی شاخ ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً۔۔۔ ستر اور کچھ اُوپر شاخیں ہیں ایمان کی اور اُن میں سے سب سے افضل ہے لا الٰہ الا اللہ کا کہنا اور سب سے کم تر ہے کوئی بھی تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹا دینا اور حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے، ایمان کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ بعض روایات میں ساٹھ بھی آیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ زیادہ ہیں تو بعض علماء نے اس ساٹھ یا ستر کو لے کر اسے حقیقی عدد سمجھ کر اُس کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اُس میں بہت زیادہ تکلف ہے۔ درحقیقت عربی محاورے کے مطابق جب کثرت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے تو ستر کا عدد استعمال ہوتا ہے۔ ستر سے مراد گنتی کا نمبر ستر نہیں اس سے مراد ہے، کثرت یعنی بہت زیادہ۔ جیسے ہمارے ہاں رواج ہے کہ ہم گنتی تو نہیں کرتے لیکن کہتے ہیں اس کے پاس تو ہزاروں ہیں۔ ہم نے گنے ہوئے تو نہیں ہوتے کہ ہزار ہیں، دو ہزار ہیں، پانچ ہزار ہیں۔ ہزاروں کہہ کر مراد یہ ہوتی ہے کہ بہت سے ہیں۔ اسی طرح یہاں فرمایا گیا کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں۔

ایمان نام ہے بندے کا، اللہ سے تعلق کا، اب حیاتِ انسانی کے کتنے شعبے ہیں، کس شعبے سے اُس کا کتنا تعلق ہے۔ ہر شعبے کا ایک الگ رشتہ، الگ تعلق ہے۔ آپ عبادت کرتے ہیں اُس میں ایمان کا کتنا دخل ہے، رسم نبھا رہے ہیں، لوگوں کو دکھا رہے ہیں یا واقعی اللہ کریم کی عظمت کے قائل ہو کر اُس کے سامنے سربسجود ہو رہے ہیں! زندگی میں ہم کتنے کام کرتے ہیں، ہر کام کے ساتھ ایمان کا رشتہ ہے۔ ہم جب اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ پناہ میں رکھے تو ایمان کی حدود سے نکل کر کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشادِ گرامی ہے جس کا مفہوم ہے کہ جب کوئی بدکاری کرتا ہے تو اُس سے ایمان الگ ہو جاتا ہے۔ خواہ اُس کے بعد اُس کا ایمان لوٹ آئے لیکن وہ لمحات جب وہ بدکاری کر رہا ہوتا ہے ایمان اُس کے وجود میں نہیں ہوتا۔ چونکہ ایمان کے ساتھ اتنا بڑا جرم ہو نہیں سکتا۔ تو زندگی کے بے پناہ شعبے ہیں جو گنے نہیں جا سکتے۔ بیشمار کام ہم کرتے ہیں جو گنے نہیں جا سکتے۔ بے حساب باتیں کرتے ہیں، ہر بات کا ایمان سے تعلق ہے۔ ہم جو بات کہتے ہیں وہ سچ ہے، غیبت ہے، بہتان ہے، شکوہ ہے، جھوٹ ہے، اُس کی کیا قسم ہے؟ اب اِن ساری قسموں میں جو سچ ہے ایمان اُس کے ساتھ ہے۔ جھوٹ ہے تو ایمان سے خارج ہے۔ غیبت ہے تو ایمان کے علاوہ ہے۔

بہتان ہے تو ایمان کے علاوہ ہے۔ تو سچ بات کرنے کے علاوہ باقی جتنی قسمیں آپ گن لیں ان کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ بندہ جب ایسی بات کرتا ہے تو ایمان سے ہٹ کر کر رہا ہوتا ہے۔ چونکہ زندگی کے شعبے گننا ممکن نہیں ہے اور ہر بندے کی زندگی کے الگ الگ شعبے ہیں۔ ہر بندے کی زندگی کا معیار الگ ہے۔ جس درجے کا بندہ ہے اسی درجے کے اور اسی شمار کے شعبے ہیں۔ کاشتکار ہے، دوکاندار ہے، کاروباری ہے، امیر ہے، درمیانے درجے کا ہے، غریب ہے، کس درجے کا بندہ ہے؟ اس کی کیا سوچ ہے؟ بزنس کیا ہے؟ کام کیا کرتا ہے؟ دن بھر کن لوگوں سے ملتا ہے؟ کیا سوچتا ہے؟ یوں یہ گنے نہیں جا سکتے۔ لہٰذا اصدق الصادقین ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں۔ سب سے اعلیٰ، سب سے افضل ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اللہ اللہ اللہ! ہماری عمریں بسر ہو جاتی ہیں، ہم اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اسلام اللہ کی مہربانی سے ہمیں وراثتاً مل گیا۔ مسلمان والدین کی گود میں آنکھ کھولی۔ زمین پر آتے ہی، دنیا پہ آتے ہی پہلا کلمہ اللہ کی عظمت کا کان میں پڑا۔ اذان سنائی دی۔ ہمارے پاس یہ موروثی اسلام ہے۔ ہم ساری عمر یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مفہوم ہے کیا؟ یہ بڑی عجیب بات ہے دنیا میں جتنے فلسفۂ حیات ہیں ہر فلاسفی کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ مجھے تسلیم کرو۔ اسلامی نقطہ نظر یا اسلامی فلسفۂ حیات، میں فرق ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے تسلیم کرو۔ وہ کہتا ہے کہ پہلے سب کا انکار کرو۔ اسلام نفی سے شروع ہوتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ کوئی عبادت کے لائق ہے ہی نہیں، کوئی بت، نہ کوئی دیوی، نہ کوئی دیوتا، نہ جن، نہ کوئی انسان، نہ پہاڑ، نہ دریا، نہ زمین، نہ آسمان، کائنات میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے۔ عبادت کیا ہے؟ غیر مشروط اطاعت۔ عبادت غیر مشروط اطاعت کو کہتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس کی غیر مشروط عبادت کی جائے۔ جب لوحِ دل خالی ہو جائے اب اُس پر لکھو اِلَّا اللّٰہُ، لیکن اللہ ہے۔ اللہ کو شراکت پسند نہیں ہے، زبان تو لَآ اِلٰہَ کہتی رہے دل کی اُمیدیں غیر اللہ سے وابستہ ہوں۔ زبان تو کہے کہ اَلّا اللّٰہ صرف اللہ ہے۔ دل کہے اللہ کی دیکھی جائے گی فی الحال تو یہ بندہ میرا کام کر دے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نفی کر دینا کہ کوئی لائق پرستش نہیں، کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ غیر مشروع اطاعت کے لائق کوئی بھی نہیں ہے، ہاں! مگر ایک ہستی، اللہ جلِ شانہٗ۔ اب اس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا تقاضا یہ ہے کہ جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیا تو پھر غیروں سے اُمیدیں کیسی؟ پھر جسے وحدہٗ لاشریک خود مان لیا اُس کی نافرمانی کیسی، پھر اس سے انکار کیسا؟ ہم کیسے عجیب مسلمان ہیں۔ ذرا دل میں سوچئے کیا واقعی وہاں اللہ ہے؟ اگر دل مانے کہ اللہ ہے تو پھر جانچئے کہ دل میں یہ ہے کہ واقعی وہی خالق ہے، اُسی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اگر اُس نے ذرے سے بھی باریک تر چھوٹے چھوٹے سیل جوڑ کر، کھربوں سیل جوڑ کر ہمارا وجود ترتیب دے دیا ہے، چھوٹی چھوٹی نسیں رگیں، پٹھے جوڑ جوڑ کر اتنا عجیب و غریب جسم بنا دیا ہے پھر کمال یہ ہے کہ ہر لمحہ جسم کی تعمیر ہو رہی ہے۔ ہر آن اگلے سیل مر رہے ہیں، نئے سیل آ رہے ہیں۔ جسم تبدیل ہو رہا ہے، نیا تازہ خون بن رہا ہے۔ نیا تازہ گوشت بن رہا ہے۔ کیا دل میں یہ واقعی ہے؟ کیا دل مانتا ہے کہ اُس کا رسول ﷺ واقعی اللہ کا رسول ہے؟ سبحان اللہ! بہت بڑی عظمت کی بات ہے! یہ تو ہمارے پاس واحد ذریعہ ہے اللہ کی مرضیات کو جاننے کا۔ ہم کیسے جانیں کہ وہ عظیم خالق، مالک، رب، پروردگار کس بات پہ خوش ہے، کس پہ ناراض ہے؟ واحد ذریعہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ جو حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ اللہ بھی سچ ہے، اللہ کا رسول ﷺ بھی سچ ہے۔ تو پھر ہم مانتے کیوں نہیں؟ پھر ہمارے پاس اللہ کو سجدہ کرنے کی فرصت کیوں نہیں؟ پھر ہم اُس کے روبرو جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟ پھر ہم اُس کے روبرو رشوت کیوں لیتے ہیں؟ پھر ہم اُس مالک کے روبرو لوگوں کو قتل کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کی عزتیں کیوں لوٹتے ہیں؟ لوگوں کا مال کیوں لوٹتے ہیں؟ ہم کیوں بُرائی کرتے ہیں؟ کیوں ملک میں دہشت گردی ہے؟ کیوں ملک میں ہر بندے کو دوسرے سے خطرہ ہے؟ جب سب مسلمان ہیں، اکثریت مسلمانوں کی ہے تو یہاں تو کسی کافر کو بھی، ذمّی کو بھی خطرہ نہیں محسوس کرنا چاہئے کہ وہ تو مسلمانوں کے جھرمٹ میں ہے۔ وطنِ عزیز میں اٹھانوے فیصد مسلمان ہیں لیکن یہاں تو خود مسلمان کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ تو پھر ذرا سوچیئے! کہ کیا ہم مانتے ہیں اسلام؟ یا ایک ڈھول گلے پڑا ہوا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ ہم پر

رحم فرمائے۔ پتا تب لگے گا جب یومِ حشر ایمان جانچے جائیں گے کہ تم کتنا مانتے تھے؟ کیسے مانتے تھے، جو تمہیں جھوٹ سے نہ روک سکا کہاں ہے ایمان تمہارا؟ جو تمہیں رشوت سے نہ روک سکا، جو تمہیں انسانوں کے قتل سے نہ روک سکا، جو تمہیں بُرائی سے نہ روک سکا اور بربادی اور تباہی سے نہ روک سکا۔ وہ کون سا ایمان ہے، لے کے آؤ۔ دکھاؤ وہ کون سا ایمان ہے؟ اُس وقت بات تو واضح ہو جائے گی لیکن اصلاح کا موقعہ نہیں ہوگا۔ اُس سے بہتر ہے ہم خود سوچیں۔ ہمارا عجیب مزاج ہے ہم دوسرے کا تجزیہ کرتے رہتے ہیں، اپنا کوئی نہیں سوچتا۔ فلاسفہ کا ایک اصول ہے، وہ کہتے ہیں ساری کائنات کو چھوڑ دو، تم سمجھو زمین پر اور زیرِ آسماں میں اکیلا انسان جی رہا ہوں تو پھر تمہیں سمجھ آئے گی کہ اکیلے بندے کے لیے بھی نظامِ کائنات، نظامِ شمسی چل رہا ہے۔ سورج طلوع و غروب ہو رہا ہے۔ بادل بن رہے ہیں، بارشیں ہو رہی ہیں۔ کھیتیاں اُگ رہی ہیں۔ جانور، پرندے چہچہا رہے ہیں۔ باغ پھل، پھول دے رہے ہیں۔ یہ سارا نظام ایک ایک بندے کے لیے چل رہا ہے۔ یہ سب آپ مانتے ہیں۔ یہ اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ اِلَّا اللّٰہُ میں داخل ہے۔ کیسا مانتے ہیں پھر ہم؟ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ ہم کیوں اِسے اُجاڑنے پہ تلے ہیں؟ ہم کیوں اس میں خرابیاں کرتے ہیں؟ کیوں اس کی بربادی کے درپے ہیں؟ بات پھر یہ آئے گی کہ ہم زبانی تو کہتے ہیں، کیا ہمارا ایمان واقعی ہے؟ دل مانتا ہے؟ بات پھر وہیں جاتی ہے جو علامہ مرحوم نے، اللہ اُن پر رحم فرمائے۔ فرمایا تھا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل نہ مانا، دماغ نے مان لیا کہ اللہ ہے تو پھر کیا مانا؟ ماننا تو دل کا ماننا ہے۔ جب دل مانے پھر بندہ اُس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ آپ ایک ادنیٰ سے حکومتی کارندے کی حکم عدولی نہیں کرسکتے۔ ایک عام مجسٹریٹ بلکہ اُس سے بھی نیچے آجائیں تحصیلدار، نائب تحصیلدار کی عدالت میں پیش ہوں، آپ وہاں گستاخی، حکم عدولی نہیں کرسکتے۔ چہ جائیکہ آپ ہائی کورٹ، سپریم کورٹ یا پرائم منسٹر کے سامنے کھڑے ہوں اور کہیں میں اپنی مرضی کروں گا۔ ایسا ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا، تو پھر اُس رب العالمین کی نافرمانی کی جرأت کہاں سے آگئی؟ یہ نافرمانی نہ ماننے کا اثر ہے۔ دل نہیں مانتا کہ اللہ ہے۔ وہ موروثی اسلام ہے، مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے۔ نام مسلمانوں جیسا مل گیا۔ مسلمانوں میں رشتہ ہوگیا۔ بیوی مسلمان ہے، سسرال مسلمان ہے۔ ماں باپ مسلمان تھے، بچے مسلمان ہیں، ایک اسلام گلے پڑا ہوا ہے۔ دل نے نہیں مانا، دل کہتا ہے چھوڑو یہ فلاسفی بس لوٹو، جھوٹ بولو، قتل کرو، جی بھر کے بُرائی کرلو! پھر اس اسلام کا کیا ہوا؟

فرمایا، یہ جو کلمہ ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ اعلیٰ ترین ایمان ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اُس کو صرف دماغ نہیں، دل بھی مانے اور اُس کی شہادت کردار دے۔ عمل اُس کی شہادت دے۔ منہ سے بات نکلے تو اطاعتِ الٰہی کی حدود کے اندر ہو۔ ہاتھ اُٹھے تو اطاعتِ الٰہی کی حدود کے اندر ہو کہ میں لَآ اِلٰہَ کا قائل ہوں، میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ یہ افضل ترین ایمان ہے۔ انسانی کردار کے بیشمار شعبے ہیں۔ سب ایمان کے شعبے ہیں۔ ہر عمل کے ساتھ ایمان کا ایک رشتہ ہے۔ یقین کا ایک رشتہ ہے۔ ہر عمل بتاتا ہے کہ یہ عمل کرنے والا اللہ کی عظمت کا قائل ہے کہ نہیں ہے۔ اگر قائل ہے تو اُس کا عمل اطاعتِ الٰہی کی حدود کے اندر ہوگا۔ اگر اُس کا دل قائل نہیں، نہیں مانتا، تو اُس کا عمل گواہی دے گا کہ یہ زبانی مانتا ہے حقیقتاً نہیں مانتا، اپنی مرضی کر رہا ہے۔ چوری کر رہا ہے، جھوٹ بول رہا ہے۔ رشوت کھا رہا ہے۔ لوگوں کی جانیں لے رہا ہے۔ دہشت گردی کر رہا ہے۔ تباہی پھیلا رہا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔۔۔ قربان جایئے اُن لفظوں، اُن جملوں اور اُن ترکیبوں پر جو آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔ ایک ایک لفظ حق ہے، صداقت ہے، نور سے پُر ہے۔ فرمایا، ایمان کے ستّر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ کلمۂ حق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اور سب سے ادنیٰ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹادی جائے۔ خواہ، پتھر ہو یا کانٹا یا کراہت آمیز چیز جس سے لوگوں کو تکلیف ہو۔ اسے ہٹادے۔ کوئی چیز جو گزرنے والے کو تکلیف دینے والی ہو اُسے راستے سے ہٹادے، اس کے پیچھے بھی

ایمان ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کی بہتری کر رہا ہے۔

میں چھوٹا سا ہوتا تھا آٹھ دس سال کا، پانچ سات سال کا، دادا جان مرحوم کے ساتھ، ہمارا جنگل میں ڈیرا ہے وہاں ہم آتے جاتے تھے۔ وہ راستہ پہاڑی کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ تین فٹ، چار پانچ فٹ چوڑا راستہ بنا ہوا تھا لیکن ساتھ ساتھ پہاڑیاں ہیں جانور چڑھتے اُترتے رہتے تو پتھر گرتے اور راستے میں آجاتے۔ میں نے دیکھا دادا جان اللہ اُن پر رحمتیں نازل فرمائے کوئی پتھر راستے میں پڑا ہوتا تو پاؤں سے اِس طرح الگ کر دیتے۔ پھر میں نے عام لوگوں کو دیکھا جو اردگرد ڈیروں والے، گاؤں آتے جاتے تھے تو اُس عہد کے لوگوں کو میں نے دیکھا ہر گزرنے والا اگر راستے میں کوئی پتھر پہاڑ سے آجاتا تو وہ ہٹا دیتے تھے۔ لوگوں میں ایمان تھا۔ اب جنگل میں کوئی دیکھ رہا ہے کیا اِس نے راستہ صاف کیا؟ ایمان ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ اب کوئی نہیں تکلیف کرتا۔ اب کسی کو فرصت بھی نہیں ہے اور اس طرح سوچتے بھی نہیں ہیں۔ شاید وہ ایمان جو دو نسلیں پہلے تھا اب اور کمزور ہوگیا ہے۔ بہت نیچے چلا گیا ہے۔ اُس زمانے میں تصور نہیں تھا کہ آپ عورتوں کو ناچتے دیکھیں۔ کچھ ہوتی تھیں پیشہ ور ناچنے والیاں اُنہیں کنجریاں کہتے تھے اور شرفاء اُن کا ناچ گانا نہیں سنتے تھے۔ اب ان دو نسلوں میں قدریں بدل گئیں۔ اوسطاً 30 سال میں ایک نسل گزر جاتی ہے تو دو نسلوں کو ساٹھ سال کا عرصہ ہوا۔ ان دو نسلوں میں ایسا انقلاب آیا ہے کہ بے حیائی تہذیب کے سر کا تاج بن گئی ہے۔ وہ جنہیں کنجر کہا جاتا تھا وہ آسمانوں کے ستارے کہلائے ہیں۔ آج کل وہ Star اور قومی سرمایہ ہیں۔ دو چار چیتھڑے سے جسم پر لگا کر برہنہ عورتیں ناچ رہی ہیں، گا رہی ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں، ساری قوم دیکھ رہی ہے۔ پیر صاحب بھی دیکھ رہے ہیں، مرید بھی دیکھ رہے ہیں۔ مولوی صاحب بھی دیکھ رہے ہیں، نمازی بھی دیکھ رہے ہیں، حکمران بھی دیکھ رہے ہیں، رعیت بھی دیکھ رہی ہے۔ امیر بھی دیکھ رہے ہیں، فقیر بھی دیکھ رہے ہیں۔ نہ کسی کو کراہت آتی ہے، نہ کوئی فریاد کرتا ہے، نہ کوئی روکنے کی بات کرتا ہے، وجہ؟ ایمان کمزور ہوگیا ہے۔

وہ قوت نہیں رہی۔ تو فرمایا، سب سے کمتر یہ ہے کہ کوئی راستہ چلتے ہوئے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے۔ اس لیے کہ وہاں صرف اللہ دیکھ رہا ہے۔ یہ بھی ایمان کا ایک درجہ ہے کہ وہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دیتا ہے یعنی ایک چھوٹے سے عمل سے شروع ہو کر بہت بڑے اعمال تک، ہر عمل ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ ہر بات جو منہ سے نکلتی ہے ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ ہر جملہ جو ہمارے قلم سے نکلتا ہے اُس کے پیچھے ایمان ہوتا ہے۔ کتنا ایمان ہے؟ جتنا ایمان ہے اتنی اُس جملے میں صداقت ہے، جتنا ایمان ہے اتنی اُس عمل میں صداقت ہے۔ جتنا ایمان ہے اتنی اُس قول میں صداقت ہے۔ جہاں اللہ کی نافرمانی شروع ہوجاتی ہے وہاں ایمان کی نفی ہوجاتی ہے۔

میرے بھائی! میری گذارش یہ ہے کہ پیمانہ لے کر دوسروں کا ایمان ناپنا چھوڑ دو۔ ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کا ایمان ناپتے پھریں۔ ہم اپنے ایمان کا جائزہ لے کر اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ اپنے اعمال کو ایمان کے سانچے میں جانچو۔ میں مسجد میں بیٹھا ہوں اس میں ایمان کا کتنا دخل ہے۔ میں اللہ کی، اللہ کے رسول ﷺ کی بات سن رہا ہوں۔ یہ مجھے بوجھ لگ رہی ہے یا پیاری لگ رہی ہے؟ کڑوی لگ رہی ہے یا اس میں لذت آرہی ہے؟ اندازہ ہوجائے گا کہ ایمان کہاں ہے، کتنا ہے! میں سجدہ کرنے لگا ہوں، نماز پڑھنے لگا ہوں، کیا میری نماز اللہ کے لیے ہے یا رسماً ہے کہ چلو آگئے ہیں اُٹھک بیٹھک کرلیں؟ یا شاید اس لیے ہو کہ لوگ مجھے پارسا سمجھیں، پھر اللہ کی نماز تو نہ ہوئی، لوگوں کی ہوئی۔ کیا مجھے یہ یقین نصیب ہے کہ میرا سجدہ اللہ کے روبرو ہے۔ اپنا اپنا جائزہ لیجیے۔

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے ساتھی، صاحب مجاز و امیر سلسلہ عالیہ ضلع لاہور خالد محمود چشتی صاحب

قصور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی محمد اشرف کے والد محترم

شیدو ضلع نوشہرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی آصف خٹک کی والدہ محترمہ

بھمبھر، آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی راجہ عاشق کے والد محترم

ہر عمل کے ساتھ ایمان کا رشتہ ہے۔ بات کرتے وقت، کام کرتے وقت، میرے بھائی دیکھ لو! میں جو کام کرنے چلا ہوں یہ ایمان کے مطابق ہے یا ایمان کی نفی کردے گا۔ اس میں ایمان کا اعلیٰ درجہ شامل ہے یا کمزور ہوگیا ہے۔ جو بات منہ سے نکالنے لگا ہوں اُس کے پیچھے ایمان کی حرارت کتنی ہے؟ اگر یہ نصیب ہوجائے تو زندگی کا مزا آجائے گا۔ زندگی تو زندگی موت کا بھی مزا آجائے گا۔ دنیا تو دنیا، قبر میں رہنے کا بھی لطف آجائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ ایمان کا یہ درجہ نصیب ہوجائے۔

فرمایا: وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔۔۔اور حیا ایمان کی شاخ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حیا کو الگ بیان فرمایا اور فرمایا: وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔۔۔حیا بھی ایمان کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ سب کا بیان سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ میں محدود فرمادیا، محیط کردیا لیکن حیا کا شعبہ پھر آپ ﷺ نے الگ بیان فرمایا، گویا یہ بہت ضروری تھا۔ اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ حیا کیا ہے؟ ہمارے ہاں عموماً حیا یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی ایسا کام جو مناسب نہ ہو وہ بندہ لوگوں کے سامنے نہیں کرتا۔ تو وہ جو کیفیت ہوتی ہے کہ لوگوں کے سامنے یہ نہ کیا جائے اُسے حیا کہا جاتا ہے لیکن یہ حیا نہیں ہے۔ یہ معاشرے کا ایک خوف ہے، لوگوں کے بیزار ہوجانے کا ڈر ہے یا اپنی بدنامی کا خطرہ ہے۔ یہ حیا نہیں ہے۔ حیا یہ ہے کہ کوئی نامناسب یا غیر موزوں کام تنہائی میں بھی، اللہ کریم کی ناراضگی سے ڈرتے ہوئے نہ کیا جائے۔ اللہ سے حیا کی جائے تو یہ حیا ہے۔ جہاں کوئی روکنے والا نہ ہو کوئی بدنامی کا ڈر بھی نہ ہو، کوئی دیکھنے والا نہ ہو، وہاں یہ ایمان ہو، یہ یقین ہو کہ اللہ کریم موجود ہے اور میں اللہ کریم کے روبرو ہوں۔ یہ نامناسب بات منہ سے نہیں نکال سکتا، یہ نامناسب کام نہیں کرسکتا، یہ حیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس سے بہت آگے کی بات کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں صرف یہی حیا نہیں ہے۔ یہ بھی ایک ڈر ہے کہ میرے نامہ اعمال میں بُرائی لکھی جائے گی یا اس چیز پر مجھے عذاب ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں، حیا یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا اندازہ کرلے، کبھی بیٹھ کر سوچے کہ کس طرح ذرات سے اُس کے سیل کو ایک قطرے میں منتقل کیا۔ اُس قطرے میں لاکھوں جرثومے بنائے۔ ایک جرثومہ سے اُس کا وجود بنایا۔ کس طرح اُس کے وجود کو شکمِ مادر میں ترتیب دیا۔ ہڈیاں، گوشت پٹھے، رگیں دل، جگر، اعضائے رئیسہ، عجیب وغریب قوتوں کا حامل دماغ، قوتِ گویائی، حصولِ علم کی استعداد، دیکھنے اور سننے کی قوت، تمام حواسِ خمسہ، کیا کیا نعمتیں دیں! جب کہ بندہ تھا ہی نہیں، کسی نے مانگنا کیا تھا؟ اُس کا وجود ہی نہیں تھا۔ بن مانگے وہ دیتا رہا پھر دنیا میں پیدا فرمایا۔ تادمِ مرگ، اُس کی صحت، بیماری، اُس کی زندگی، اُس کے رزق کا اہتمام فرماتا رہا۔ اُس کے باڈی سیل بنتے رہے بکھرتے رہے۔ احساناتِ الٰہی کو یاد کرے اور پھر اپنا کردار دیکھے کہ کیا میں اس کا شکر ادا کررہا ہوں؟ جب یہ احساس ہوجائے کہ اُس کی عطا اتنی ہے کہ میں اُس کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا تو اس وقت جو کیفیت ہوگی اسے حیا کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں، گناہ نہ کرنا نیکی ہے، آخرت کا خوف ہے، اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہے، جہنم کا ڈر ہے۔ سب درست ہے، لیکن حیا تو یہ ہے کہ اُس کے احسانات پہ نظر کرے تو جان لے گا کہ جواب میں اُس کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا۔ جتنی اُس کی نعمتیں ہیں اُتنا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا، تو جو کیفیت ماندگی کی آئے گی کہ میں تو کچھ کر نہیں سکتا۔ وہ حیا ہے۔ تو یہ حصہ اس حدیث شریف کا ہم سے رہ گیا تھا۔ ساتھی جب اسے لکھتے ہیں تو اُس میں شامل کرلیں گے۔

ضرورتِ رشتہ

ایک لڑکی عمر 23، تعلیم B.Sc(Hons) Botany، (16 سالہ تعلیم)، رہائش گوجرانوالہ، قد 5 فٹ 5 انچ، ذات آرائیں۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ نمبر 0345-6489642 عادل

ضرورتِ رشتہ

ایک لڑکا ذات اعوان، تعلیم ایم بی بی ایس، لیکچرار سرگودھا میڈیکل کالج، کے لئے 30 کی عمر کی لڑکی جو ڈاکٹر یا لیکچرار ہو کا رشتہ درکار ہے۔ خواہشمند حضرات درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-4279843,0323-5215146

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

سوال: ہمارے ایک ساتھی تھے اُن کی روحانی بیعت حضرت جیؒ نے کروائی تھی۔ پھر وہ سعودی عربیہ چلے گئے۔ امریکن آرمی کی ملازمت میں رہے۔انہوں نے نصف سنچری حج اور عمرہ کی مکمل کی لیکن ابھی تک تجدید بیعت کی سعادت سے مستفیض نہ ہو سکے۔ ملازمت کے دوران میرے خیال کے مطابق معمولِ ذکر سے غافل رہے۔اَب جب وہ مجھ سے ملتے ہیں تو فرماتے ہیں میں آج بھی اسی منصب پر قائم ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

جواب: یہ تو اللہ بہتر جانے کون کیسا ہے؟ معاملہ بندوں کے ساتھ اللہ کریم کا اپنا ہے اور وہ بہتر جانتا ہے۔لیکن یہ جو شعبہ ہے تصوف کا اس میں یہ بات یقینی ہے کہ بندہ مسلسل مجاہدہ کرتا رہتا ہے، اتباعِ شریعت عملی زندگی میں کرتا ہے اور اس کا مدار، اتباعِ شریعت ہوتا ہے، بنیادی معمولات پر ہوتا ہے۔اگر اپنے معمولات پہ قائم رہتا ہے، محنت کرتا ہے تو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے اور ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر مراقبات ایک جگہ رک بھی جائیں تو اُن مراقبات کی کیفیات میں ترقی ہوتی رہتی ہے یا پھر اس میں تنزل ہوتا رہتا ہے۔ بندہ کہیں رکتا نہیں، یا آگے بڑھتا رہتا ہے یا نیچے گرتا رہتا ہے۔معمولات اور اذکار کار چھوڑ دے تو اُس کا اثر اس کے کردار اور اعمال پر پڑتا ہے اور وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ شروع میں جو اعمال و کردار میں خلوص ہوتا ہے وہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ کم ہوتے ہوتے اس جگہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اُن کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ چھوٹنے لگ جاتے ہیں اور بندہ خلافِ شرع اُمور میں مصروف ہو جاتا ہے۔ دل میں اللہ کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت آنا شروع ہو جاتی ہے۔تو یہ ہر بندہ اپنے حال پہ خود نظر کرے یا اللہ کریم بہتر جانتے ہیں۔ بہر حال چھوڑ دینے سے وہ بات نہیں رہتی۔

سوال: یہ بڑا اچھا سوال ہے، خواتین کے مراقبات فنابقا سے آگے نہیں کروائے جاتے جبکہ مردوں کی کثیر تعداد عرشی منازل پہ بھی ہے۔ اگر اس کی وجہ ہماری کوئی کوتاہی ہے تو نشاندہی فرمادیں تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں؟

جواب: نہیں! یہ بات نہیں ہے۔ آپ تاریخ تصوّف اٹھا کے دیکھیں تو تبع تابعین کے بعد آپ کو خواتین کی کوئی جماعت نظر ہی نہیں آتی۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھی کہ خواتین، مرد جو حضرات بھی آتے وہ شرفِ صحابیت سے تو مشرف ہو جاتے۔ صحابیؓ تو سب تھے لیکن صحابہؓ میں بھی مدارج تھے۔ جیسے تمام صحابہؓ میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی کوئی مثال نہیں۔ خلفائے راشدین علی الترتیب خلافت سب سے افضل ہیں۔ اسی طرح بعض بہت اعلیٰ تھے بعض اُن سے مقابلہ نہیں کر پاتے۔ سب اعلیٰ تھے، سب اچھے تھے، لیکن اپنے اپنے مدارج تھے۔ خواتین صحابیاتؓ تھیں لیکن وہ مردوں کے منازل اور اُن ذمہ داریوں کو نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اُن کی اپنی ذمہ داریاں تھیں۔ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی تھیں۔ اسی طرح تابعین میں خواتین بھی تھیں، مرد بھی تھے۔ تبع تابعین میں خواتین بھی تھیں، مرد بھی تھے۔ پھر جب

ولایت کا عہد آیا تو تبع تابعین کے بعد عمومی ولایت کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ بڑے بڑے نام ملتے ہیں اولیاء اللہ کے، صوفیاء کے، جو علومِ ظاہریہ میں بھی بڑے فاضل تھے اور کیفیاتِ باطنی میں بھی۔ لیکن اُن کے پاس ہر آنے والا صوفی نہیں بنا۔ لاکھوں لوگ آئے اور گنتی کے چند لوگوں کو کیفیات نصیب ہوئیں۔ باقی ظاہری اصلاح تک رہے اور خواتین کا تذکرہ تو تبع تابعین کے بعد کہیں ملتا ہی نہیں۔ یہ سُنت پھر حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زندہ کی اور آنے والا مرد تھا یا عورت، عالم تھا یا جاہل، بچہ تھا یا بوڑھا، امیر تھا یا فقیر سب کو برکات نصیب ہوئیں اور میرا خیال ہے تاریخِ تصوف میں تبع تابعین کے بعد آپ کو فنا بقا پر بھی خواتین نہیں ملیں گی۔ یہ برکات بھی اس سلسلہ عالیہ اور حضرت جیؒ کے وجودِ باجود سے اللہ نے وابستہ کردیں اور مخلوق کو نصیب ہوئیں۔ تو خواتین کا ایک اپنا ماحول اور اپنے حالات، اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض ہیں۔ ہر ایک کو وہاں تک لے جایا جاتا ہے جہاں تک اس میں قوتِ برداشت ہو اور وہ نارمل زندگی گزار سکے۔ اگر کسی کی برداشت سے زیادہ بوجھ پڑجائے تو پھر وہ زندگی میں نارمل نہیں رہتا۔ کسی کو Abnormal کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صوفی کی زندگی دوسروں سے زیادہ نارمل ہونی چاہیے۔ تو خواتین کے لیے یہ بہت بہت اعلیٰ مقام ہے۔ مردوں کے لیے بھی بہت بڑا مقام ہے، فنا بقا کوئی معمولی بات نہیں بہت بڑا مقام ہے!

سوال: صحبتِ شیخ کی ضرورت مرد و زن کی تخصیص نہیں، یہ ہر دو کے لیے یکساں ضروری ہے لیکن خواتین اپنی خانگی ذمہ داریوں کی وجہ سے مردوں جتنی صحبت حاصل نہیں کرسکتیں۔ اس کمی کو کیسے پورا کریں؟

جواب: صحبت کی کمی دوسرے ذرائع سے پوری نہیں ہوتی۔ یہی میں آپ کے پہلے سوال میں عرض کرچکا ہوں کہ خواتین کے لیے صحبت بھی یہی ہے کہ دارالعرفان میں رہیں، پردے میں رہیں اور ذکر اذکار کریں، وہ پوری توجہات ان کو نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ مردوں کی طرح انہیں مجلس میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی وہ پوری طرح نہیں کرسکتیں، اُن کی اپنی ذمہ داریاں ایسی ہوتی ہیں۔ لہٰذا جہاں رہیں، پوری توجہ سے اور پورے اوقات کے مطابق ذکر کرتی رہیں۔ شریعت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں، جو برکات نصیب ہیں وہ انشاء اللہ انہیں وہاں ملتی رہیں گی۔

سوال: ایک ہی والدین کی اولاد میں سے کوئی بچہ ٹھنڈے مزاج کا ہوتا ہے کوئی غصیلا، کوئی فضول خرچ، کوئی کنجوس۔ ایسا کیا طریقہ اپنایا جائے کہ بچوں کا مزاج متوازن رہے؟

جواب: یہ نفسیاتی سوال ہے، اس کا تعلق تصوف سے تو نہیں ہے نفسیات سے ہے۔ بچہ جب ہوش سنبھالتا ہے۔ تو اس کے خیال کے مطابق دنیا کا بہترین مرد اُس کا باپ ہوتا ہے۔ اور دنیا کی بہترین عورت اُس کی ماں ہوتی ہے۔ پھر وہ ہماری باتیں بھی سنتا ہے ہمارے انداز دیکھتا ہے۔ ہمارا کردار دیکھتا ہے۔ تو جب وہ معاشرے میں ہوش سنبھالتا ہے۔ جب تک معاشرے میں نہیں جاتا تب تک وہ سمجھتا ہے یہی صحیح ہے جو یہ کررہے ہیں۔ جب وہ باہر نکلتا ہے، سکول جاتا ہے، معاشرے میں لوگوں سے ملتا ہے۔ کچھ بھلائی بُرائی کی تمیز ہوتی ہے تو پھر وہ والدین کو جب بھلائی کے خلاف پاتا ہے تو یہ اُس کا ردِعمل ہوتا ہے کہ پھر وہ کسی نہ کسی برائی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اگر اس کا وہ تصور قائم رہے کہ میرے والدین بہت اچھے ہیں اور جب وہ بالغ بھی ہوں تو والدین نیک ہوں، شریف النفس ہوں، شریعت پر عمل کرنے والے ہوں تو عموماً بچے بھی نیک اور شریف النفس بن جاتے ہیں۔ ان کو بگاڑنے میں بہت بڑا کردار والدین کا ہوتا ہے۔ جب وہ بڑے ہوکر دیکھتے ہیں کہ یہ کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ ہمیں کہتے ہیں یہ نہیں کرنا، خود کرتے ہیں تو وہ جوردِ عمل ہوتا ہے وہ بچوں کو بگاڑ دیتا ہے۔

سوال: ضمیر کی آواز یا ضمیر کا زندہ ہونا عام اصطلاحات ہیں۔ کیا ضمیر قلب اور نفس سے ہٹ کر کوئی چیز ہے؟ یا انہی میں سے کسی کا نام ہے۔

جواب: ضمیر اس کیفیت کو کہا جاتا ہے جو قلبِ صالح سے نبتی ہے اور بندے کی رائے کو متاثر کرتی ہے۔ کوئی کام خلافِ شریعت کرنا چاہتا ہے تو اندر سے آواز آتی ہے کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ یا یہ نہ کیا جائے۔ اس کا دل نہیں مانتا۔ وہ جو دل کی آواز ہے اسے ضمیر کہہ دیتے ہیں۔

دراصل یہ لطیفۂ قلب کی حیات پر ہے۔ اگر وہ زندہ ہے، طاقتور ہے، مؤثر ہے تو بندہ بُرائی نہیں کرے گا، خرابی نہیں کرے گا۔ غلطی سے کوئی غلطی ہوگئی تو توبہ کرے گا۔ رجوع الی اللہ کرے گا۔ اگر وہ آواز دب گئی، قلب کمزور ہوگیا۔ قلب میں حیات نہ رہی یا قلب بیمار ہوگیا تو وہ آواز کمزور پڑ جائے گی اور بندہ عملی زندگی میں بُرائی میں ملوث ہوجائے گا۔ ضمیر کوئی الگ چیز نہیں ہے، اسے ضمیر کا نام دے دیا گیا ہے۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ ہمیں نیکی کے لیے خود کو سو (100) دلائل اور گناہ سے بچنے کے لیے کوشش کرنا پڑتی ہے۔

جواب: تو یہی تو انسانی زندگی کی آزمائش ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3) ہم نے دونوں راستے انسان پر واضح کردیئے ہیں۔ وہ چاہے تو شکر کی راہ اپنالے، چاہے تو ناشکری کر کے بھی دیکھ لے۔ یہ جو کہا جاتا ہے انسان کو اختیار حاصل ہے تو کتنا اختیار حاصل ہے؟ کیا وہ اپنی مرضی سے وہ اپنی شکل بنا سکتا ہے؟ قد کاٹھ بنا سکتا ہے، زندگی موت کا فیصلہ کرسکتا ہے؟ صحت بیماری کرسکتا ہے؟ کچھ نہیں کرسکتا۔ بنی بنائی صورت، بنا بنایا قد کاٹھ۔ بنی بنائی صحت بیماری، بنے بنائے حالات۔ اس کے پاس یہی اختیار ہے کہ اُسے معرفتِ الٰہی کی استعداد دی گئی ہے۔ اب اگر اس نے معرفتِ الٰہی میں سے کوئی ذرہ، کوئی کرن پالی، عظمتِ الٰہی سے آشنا ہوا تو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اللہ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ نا آشنا رہا، رسماً سنا ہوا ہے ایک نام۔ اللہ بھی ہے، ہوگا۔ کون سا ہمارے سامنے بیٹھا ہے، پھر وہ اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔ تو نیکی کے لیے کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اسی کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ یہ جہد سے مشتق ہے۔ جہد و جہد کرنا پڑتی ہے۔ اور گناہ سے بچنے کی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ یہی کوشش، یہی محنت، اصل عبادت ہے۔ بلکہ عبادات کا حاصل ہے۔ جیسے فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت:45) عبادات، برائی اور بے حیائی سے روکتی ہیں۔ کہ عبادات کا حاصل یہی ہے کہ نیکی کی قوت آجائے اور گناہ سے بچنے کی کوشش کامیاب ہوجائے۔ ہمیشہ ہر کام کے لیے کوشش کرنا پڑتی ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں۔ جن پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ بچپن سے نماز شروع کی اور اُن کی عمریں بہتر، نوے نوے سال ہوگئی ہیں ابھی تک نمازیں پڑھتے جارہے ہیں۔ ہر نماز کے لیے انہیں پھر خود کو تیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ عادت نہیں بنتی۔ اسی لیے اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ امورِ عادیہ میں سے ہوتی تو اس پر ثواب کس بات کا۔ محنت نہ کرنی پڑتی تو اس پر ثواب کس بات کا۔

سوال: اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں قلبِ سلیم میں رہتا ہوں، قلب سلیم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعرآء:89) فرمایا، آخرت کو انہی کا بھلا ہوگا جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئیں گے۔ سلیم کا مادہ بھی س ل م ہے۔ یہ سلامتی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سلامتی کی طرف دلیل ہے۔ اب قلب کی سلامتی کیا ہے؟ قلب عطا ہوا معرفتِ باری کے لیے۔ قلب عطا ہوا روح کے ادراک کے لیے۔ قلب عطا ہوا روح کی غذا اور دوا کے لیے۔ اگر قلب غافل ہوجائے تو بھی نقصان ہوتا ہے، سوجائے تو بھی نقصان ہوتا ہے۔ بعض اوقات مر ہی جاتا ہے۔ جیسے کافروں کو قرآن نے مردہ کہا۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کے ارشاداتِ عالی سنتے تھے، جواب دیتے تھے، طعن و تشنیع کرتے تھے، بدکلامی کرتے تھے لیکن قرآن نے کہا یہ نہیں سنتے۔ حضور اکرم کو دیکھتے تھے لیکن قرآن نے کہا یہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھتے۔ مراد یہ تھی کہ وہ جو قلب کی آنکھ ہے وہ نہیں دیکھتی، جو قلب کے کان ہیں وہ آپ ﷺ کی بات نہیں سُن رہے۔ اگر وہ سنتے تو قبول کرتے۔ قلب کی آنکھ دیکھتی تو آپ ﷺ کی عظمت سے آشنا ہوجاتی۔ تو قلب سلیم سے مراد وہ قلب ہے جو اللہ کی طرف سلامت رہے اور مرضیاتِ باری کے خلاف اُس میں کوئی خواہش نہ آئے یا کوئی کام نہ کرے۔ کوئی خواہش آئے تو رد کردے، وہ سلامت رہا۔ جس نے جتنا اطاعتِ الٰہی سے ہٹ کر آرزوئیں کیں اور اُن پر عمل کرنے کی کوشش کی وہ اتنا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ قبولیتِ الٰہی کے لیے قلبِ سلیم کی ضرورت ہے اور قلبِ سلیم بھی وہ ہے جو طلبِ الٰہی، اطاعتِ الٰہی میں سلامت رہے۔

سوال: میری شدید خواہش ہے کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: عموماً صوفیاء کو مشاہدہ اور کشف ہوجاتا ہے۔عموی عطا ہے اللہ کی لیکن ضروری نہیں ہے۔ بندے کو کیا کرنا چاہیے؟ اسے اپنے پورے خلوص سے حضور ﷺ کا اتباع کرنا چاہئے۔ اللہ کریم آپ ﷺ کی زیارت نصیب کردے تو انعام ہے اللہ کا۔ بعض لوگ صوفی نہیں بھی ہوتے انہیں خواب میں زیارت ہوجاتی ہے۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے۔ جن کی خواب میں بھی زیارت ہوجاتی ہے تو مولانا تھانویؒ نے اس کی تعبیر فرمائی ہے کہ جسے حضور ﷺ کی زیارت ہو جاتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ بہت بڑی بات ہے۔ جنہیں مشاہدات ہوجاتے ہیں انہیں کشفاً بھی زیارت ہوجاتی ہے لیکن یہ چونکہ از قسم ثمرات ہے، پھل ہے۔ آپ پودا لگا سکتے ہیں۔ اس کی رکھوالی کر سکتے ہیں۔ اسے پانی دے سکتے ہیں۔ کھاد ڈال سکتے ہیں۔ پھل آپ نہیں لگا سکتے۔ پھل وہ لگائے گا۔

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھُل لانا لاوے یا نہ لاوے

تو یہ ثمرات ہوتے ہیں، یہ منجانب اللہ ہوتے ہیں۔ زیارت ہو تو بھی پوری کوشش، پورے خلوص سے اتباع کرنی چاہیے، نہ ہو تو بھی پورے خلوص سے پوری کوشش اتباع کی کرنی چاہیے کہ ایک بات یقینی ہے جب قبر میں فرشتے آئیں گے تو وہ حضور ﷺ کی طرف اشارہ کرکے پوچھیں گے: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ ---اس ہستی کے بارے تم کیا کہتے ہو۔ زیارت تو ہوجائے گی۔ یہاں بھی بڑا ابہام ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ قبر میں تشریف لے آتے ہیں اور تب یہ سوال ہوتا ہے، تو اگر حضور ﷺ کسی کی قبر میں تشریف لے آتے تو پھر تو فیصلہ ہی ہوجاتا، پھر سوال جواب کیسے۔ لیکن یاد رکھیں مرکز کبھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا۔ حضور ﷺ کائنات کا مرکز ہیں۔ مرکز کے گرد چیزیں گھومتی ہیں۔ اگر مرکز اپنی جگہ چھوڑ دے تو سارا نظام ہی ختم ہوجائے۔ حضور ﷺ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ آپ ﷺ کسی کے پاس تشریف لائیں۔ کائنات کا ہر ذرہ آپ ﷺ کی خدمت میں جانے کو کوشاں رہتا ہے۔ جسے زیارت ہوتی ہے، خواب میں بھی وہ دیکھتا ہے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے ہیں تو یہ سب انوارات وبرکات روضہ اطہر ﷺ سے آرہے ہوتے ہیں، جن سے یہ تصویر بن رہی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ تشریف نہیں لاتے۔ حضور کی شان بہت بلند ہے۔ قبر میں بھی جب صاحبِ قبر سے یہ سوال ہوتا ہے تو صاحبِ قبر سے لے کر روضۂ اطہر تک سارا راستہ بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ اپنی جگہ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ لیکن دیکھنے کے لیے نورِ ایمان چاہیے۔ اگر نورِ ایمان ہوتا ہے تو کہتا ہے۔ ھذا سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ ارسلہ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب:46) ورنہ کہتا ہے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لَا اَدْرِيْ، کیا پوچھ رہے ہو۔ میں تو کچھ نہیں دیکھ رہا۔ فرشتے کہتے ہیں اس ہستی کے بارے۔ وہ کیا کہتا ہے۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لَا اَدْرِيْ--- مجھے تو کچھ نظر نہیں آرہا، تم کس کے بارے پوچھ رہے ہو۔ تو بھی زیارت تو ہوجائے گی۔ آج ہوجائے گی، کل ہوجائے گی، نہیں تو دخولِ قبر پہ تو ہوجائے گی۔ زیارت کی تیاری ہونی چاہیے تاکہ اس وقت نظر آسکیں۔ دیکھا جاسکے۔ قلب سلیم ہو، نگاہ سالم ہو، طلب ہو، توجہ ہو۔

سوال: اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے پھر اس کی Presence اس طرح کیوں محسوس نہیں ہوتی جس طرح ہمیں ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے؟

جواب: بات تو بڑی مزے کی ہے۔ ہونی چاہیے۔ لیکن ایک بندہ اندھا ہوجائے، اس کے گرد جو لوگ بیٹھے رہیں وہ حرکت نہ کریں، خاموش رہیں، تو کیا اسے ادراک ہوتا ہے کہ کوئی بندہ پاس ہے؟ کوئی بہرہ ہوجائے تو لوگوں کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تو محسوس کرے گا کہ یہ کچھ کہہ رہے ہیں؟ سن نہ بھی سکے لیکن اگر یہ نہ دیکھے تو پھر اُسے کوئی پتا نہیں کہ باتیں کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے۔ یہی تو بات ہے کہ دل کو صاف کیا جائے، اس پر گرد ہٹائی جائے۔ کسی کی آنکھوں میں مٹی ڈال دو تو وہ دیکھ سکے گا؟ (بقیہ صفحہ نمبر 21 پر ملاحظہ کریں)

بیان، 28 جون 2016ء

اعتکاف ۔۔۔ تزکیہ کا بہترین موسم

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اللہ جل شانہ کی تخلیق میں بیشمار اور بے پناہ حکمتیں ہیں۔ عجب عالم اس نے تخلیق فرمایا ہے۔ انسانی تحقیقات اور انسانی علوم اُس کے عشرِ عشیر کو بھی نہیں پا سکتے۔ ہر چیز میں، ساری مخلوق میں اس نے موسم رکھ دیے ہیں۔ عجیب بات ہے! ہر پودا سارا سال زندہ رہتا ہے لیکن ایک خاص موسم میں اس پر پھل پھول آتے ہیں۔ کوئی کسی پر کسی موسم میں، کوئی کسی پر کسی دوسرے موسم میں پھلوں پھولوں سے لد جاتا ہے حالانکہ وہ زندہ تو سارا سال رہتا ہے۔ انسان جیسا جوانی میں ہوتا ہے، نہ بچپن اور لڑکپن میں ہوتا ہے اور نہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ جوانی انسانی حیات کا موسم ہے۔ اسی طرح ذکرِ الٰہی ہمہ وقت کرنے کی چیز ہے، ہر دھڑکن ہر سانس میں۔ یہ اعتکاف کے دن اس کے لیے پھلنے پھولنے کا سب سے اعلیٰ موسم ہے۔ صوفیاء، تمام سلاسل میں جب طالب کی تربیت فرماتے ہیں تو اس کے لئے تخلیہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ چالیس چالیس دن کے چلے لگواتے ہیں، برسوں کے چلے لگواتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن میں پینتالیس (45) برس صرف کئے ہیں۔ جو سیکھنا چاہے وہ چار سال کے لئے میرے پاس آ جائے، گھر والوں کو ان کے اخراجات دے کر آئے اور اپنے اخراجات لے کر آئے۔ میں چار 4) سال میں اسے تخلیے میں رکھ کر سکھا دوں گا۔ بعض حضرات نے دو دو سال میں ایک لطیفہ کرایا۔ تو جس قدر بھی نسبتیں ہیں، سلاسل ہیں، ان میں یہ نسبتِ اویسیہ بہار کا موسم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں فرماتے ہیں کہ یہ عجیب نسبت ہے، دنیا سے غائب ہوتی ہے تو ایسے جیسے دریا کسی صحرا میں جذب ہو جائے اور صدیوں بعد پھر اس کا چشمہ پھوٹ نکلتا ہے اور جب آتی ہے تو زمانے پہ چھا جاتی ہے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ یہ نسبت سب سے کم واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی ایام میں جبکہ ابھی جماعت نہیں بنی تھی تو منبر پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی چھ (6) مہینے کے لئے میرے پاس آ جائے تو میں اسے یہ سکھا دوں گا۔ یہ تو نسبتِ اویسیہ کی قوت ہے کہ یہاں کوئی تخلیہ نہیں کراتا، کاروبار سے کسی کو نہیں کاٹتا۔ امورِ دنیا احباب سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ صرف ایک قید ہوتی ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کے مطابق انجام دیں اور یہ اس کی قوت ہے کہ ہزاروں لوگ فنافی الرسول ﷺ کے عظیم مرتبہ سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔

ذکر کے فضائل میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کریم نے کچھ فرشتے ایسے تخلیق کیے ہیں جو صرف ذاکرین کی تلاش میں رہتے ہیں اور جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں سرگرداں رہتے ہیں جہاں کوئی ذکر کر رہا ہو پھر وہ دوسرے کو بھی بتلاتا ہے، پھر وہ دوسرے کو۔ اگر ذکر طویل ہو تو وہ جمع ہوتے رہتے ہیں، اگلی صف سے پچھلی صف والے تھوڑا سا اوپر، پھر اوپر، پھر اوپر، حتیٰ کہ آسمانوں تک چلے جاتے ہیں۔ محفل ختم ہوتی ہے تو اللہ کریم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا پایا تم نے، کہاں تھے تم؟ عرض کرتے ہیں بارِ الٰہ! آپ کے کچھ بندے ذکر میں مصروف تھے۔ ہم بھی وہاں تھے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ تم گواہ رہو میں نے ان سب کو بخش دیا۔ تو کوئی ان میں سے عرض کرتا ہے بارِ الٰہ! اکثر لوگ تو واقعی ذکر کے لئے جمع ہوئے تھے لیکن کچھ ان میں سے ایسے بھی تھے جنہیں کسی ذکر سے کوئی کام نہ تھا۔ وہاں گئے تو وہ ذکر کر رہے تھے تو وہ بھی وہاں بیٹھ گئے، وہ ذکر کے لئے نہیں گئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ (مسلم عن ابی ہریرہؓ)
انہیں بھی بخش دیا۔ اس لئے کہ یہ ذاکرین ایسی قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ یہ اس کا احسانِ عظیم ہے کہ ہم نے ایسے وقت کو پایا جب یہ نسبت ٹھاٹھیں مار رہی ہے۔ الحمد للہ! اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اللہ اللہ نہ ہو رہی ہو۔ ذکر جب آپ کرتے ہیں رات کا، تو دنیا بھر سے ساتھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ بہار سارا سال رہتی ہے لیکن اعتکاف اس کا خاص موسم ہے۔ یہ دس دن کا تخلیہ من جانب اللہ، نصیب ہو جاتا ہے۔ تخلیے کا پھل تزکیہ ہوتا ہے۔ اللہ کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ کوئی بھوکا پیاسا رہے۔ میرے خیال میں تو ہر گھر کا بجٹ رمضان میں بڑھ جاتا ہے۔ لوگ اتنا غیر رمضان میں نہیں کھاتے جتنا رمضان میں، سحری افطاری میں کھا لیتے ہیں یا جتنا خرچ کر دیتے ہیں۔ تو یہ نہیں کہ خزانہ الٰہی میں کوئی خاص بچت ہوتی ہے۔ اس کے خزانے لامحدود ہیں، بے پناہ ہیں۔ صرف زمین کو دیکھ لیں۔ ابتدائے آفرینش سے پھل، پھول، غلے، اجناس اُگا رہی ہے۔ نہ ختم ہوتے ہیں نہ تھکتی ہے، نہ کہیں ان کا ذخیرہ........ ساری زمین کھود ڈالو کوئی ذخیرہ نظر آتا ہے؟ اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ اس لئے نہیں ہے کہ لوگ کم کھائیں گے۔ اس لیے ہے کہ لوگ ایک خاص وقت سے ایک خاص وقت تک رُک کر، فرشتوں کی صفات، اوصاف ملکوتی حاصل کریں گے۔ پیٹ کا بھی روزہ، زبان کا بھی روزہ ہے، آنکھوں کا بھی روزہ ہے، کانوں کا بھی روزہ ہے۔ جھوٹ سُنے گا نہیں، جھوٹ بولے گا بھی نہیں بلکہ حضور عالی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی تمہیں گالی دے تو جواب میں کہو کہ بھئی میں روزے سے ہوں۔ گالی کا جواب گالی سے نہ دو۔ تو یہ صرف رمضان کے لئے نہیں ہے، یہ زندگی بھر کے لئے ایک تربیت ہے کہ جھوٹ زبان سے نہ نکلے۔ جھوٹ سُنا بھی نہ جائے۔ جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے بارے فرمایا گیا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (المائدہ: 42) یہ جھوٹ سُننے والے اور بڑے حرام کھانے والے ہیں۔ حرام کھاتے تھے، ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھا جاتے اور جھوٹ سنتے تھے۔ تو آجکل یہ دونوں چیزیں عام ہو گئی ہیں۔ رزق میں حلال کمیاب ہو گیا ہے۔ ہمارا مالیاتی نظام سارا سود پر استوار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا "ایک دور ایسا آئے گا کہ جو سود سے بھاگے گا اس کے گلے میں بھی سود کی گرد پہنچے گی"۔ آج ہم ایسے دور میں ہیں کہ ہم سود نہیں کھانا چاہتے نہیں لیتے نہیں دیتے لیکن مالیاتی نظام سے تو ہم نکل نہیں سکتے تو وہ گرد ان لوگوں کے حلق میں بھی پہنچتی ہے جو نہیں کھانا چاہتے۔ اسی طرح ہمارے ہاں سارے نظام غلامی کے عہد کی یادگار ہیں۔ نظامِ تعلیم ہو، نظامِ عدالت ہو یا نظامِ سیاست، سب غلامی کے دور کی زنجیریں ہیں جن میں ہر آدمی جکڑا ہوا ہے۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے اس میں، ان جکڑ بندیوں میں یہ کوشش کرنا کہ میں حلال کھاؤں، میں سچ بولوں، ایسا ہمارا عدالتی نظام ہے کہ آپ کو اپنا حق لینے کے لئے بھی جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ قانونی تقاضے پورے کرنے کے لئے جھوٹ بولنا پڑتا ہے، کیا حیرت کی بات نہیں؟ سچ بول کر آپ اپنا حق بھی نہیں لے سکتے اور کوئی اسے تبدیل نہیں کرتا اور کہتے ہیں ہم آزاد ہیں، آزاد ہیں۔ کیسے آزاد ہیں؟ اس لیے کہ انگریز نے ملک جن لوگوں کو دیا اور جن لوگوں کے ہتھے چڑھا وہ انگریز ہی کے غلام تھے۔ انہیں اس میں بڑی لذت آئی کہ یہ تو سارے لوگ ہمارے غلام بن گئے ہیں۔ اب جو بھی برسرِ اقتدار آ جاتا ہے وہ مالک بن جاتا ہے۔ بیس بائیس کروڑ اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔ تو اسے اسی میں لذت آتی ہے، وہ اسے بدلنا نہیں چاہتا۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہ کرسی اقتدار سے اتر کر عام آدمی کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ عام آدمی اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالے۔ تو اس طرح سے ہم اس نظام غلامی کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا تعلیمی نظام جتنا انگریز نے بگاڑا تھا اس سارے بگاڑ کے باوجود کچھ نہ کچھ حصہ قرآن کریم کا، سیرتِ طیبہ ﷺ کا، حیاتِ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کا اس میں موجود تھا۔ چونکہ وہ اسے یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ جوں جوں پاکستان بننے کے بعد سلیبس (Syllabus) میں تبدیلی آتی گئی تو وہ دینی اذکار یا دیندار لوگوں کا ذکر، یا ہمارے اپنے ہیروز (Heroes) کا ذکر کم ہوتا گیا۔ اور غیر مسلموں کا اس پر تسلط ہوتا گیا۔ اب اس سال ہمارے تعلیمی نصاب بنانے والوں نے ہندوستان سے کوئی ہندو خاتون منگوائی۔ اب جو نیا نصاب آ رہا ہے اب اس میں جہاں صحابہؓ کا تذکرہ تھا وہ نکال دیا

گیا ہے اور وہاں ہندو جوگیوں اور ان کا تذکرہ ہے۔ اس پون صدی کی آزادی نے ہمیں غلامی کے ایک تاریک کنویں میں دھکیل دیا ہے۔ سیاسی نظام آپ دیکھ رہے ہیں جو یہاں ہے۔

جہاں نہ عدلیہ درست ہو، عدالتی نظام بھی ناانصافی پہ مبنی ہو، تعلیمی نظام بھی ناکارہ ہو، سیاسی نظام بھی سیاسی ناخداؤں کی بھینٹ چڑھ جائے وہاں پر اللہ کی توفیق سے دینِ حق پر قائم رہنا یہ اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔ یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس تاریکی میں بھی قرآن کریم کی اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی کسی تک پہنچے۔ پھر ایسے تاریک دور میں انوارات و برکاتِ نبوت اگر ہمارے قلوب میں در آئیں، سما جائیں تو آفرین ہے اللہ کے ان بندوں پر جو اس کا ذریعہ بنے۔ اللہ بیشمار اور بے پناہ رحمتیں مشائخ سلسلہ کے مبارک افراد پہ نازل فرمائے (آمین) اور ہمیں ہمت دے، استقامت دے تو اس چندروزہ زندگیٔ مستعار میں اس سے مستفید ہوتے رہیں اور انجام اس پہ نصیب ہو جائے۔

چیزیں اپنی قدر و قیمت سے اہم ہوتی ہیں۔ جو شخص کسی چیز کی قدر و قیمت نہیں جانتا اس کے لیے وہ بیکار ہوتی ہیں۔ عجیب اتفاق ہے میں دفتر میں بیٹھا تھا تو ہمارا ایک دوست ہے، جوہری ہے، وہ دو کنگن لے آیا۔ وہ کبھی کبھی آجاتا ہے، کوئی چیز اس کے پاس ہو تو دکھا دیتا ہے، کوئی ضرورت ہو تو ہم لے لیتے ہیں، نہ ضرورت ہو، ہم نہیں لیتے۔ تو وہ دکھانے کے لیے لے آیا، بہر حال وہ ہمیں پسند نہ آئے، ہم نے نہیں لیے۔ وہ سفید سونے کے بنے ہوئے تھے جو کافی مہنگا ہوتا ہے۔ اس سونے کو پلاٹینم کہتے ہیں۔ وہ پلاٹینم کے بنے ہوئے تھے اور ان پر ڈائمنڈ (Diamond) جڑے ہوئے تھے۔ میں نے اندر بھجوائے کہ دکھاؤ، یہ بیبیوں کا شعبہ ہے، گھر والوں کو پسند ہی نہ آئے، واپس کر دیئے۔ جب میں نے اندر بھجوائے تو میرے پاس میرے ایک رشتہ دار بیٹھے تھے، میں نے اس جوہری سے پوچھا کہ قیمت کیا ہے ان کی؟ اس نے کہا پانچ، اس کی مراد تھی پانچ لاکھ۔ وہ جوہری بھی کہیں اُٹھ کر باہر نکلا۔ وہ کنگن اندر بھجوائے تو میرا عزیز میرے پاس بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا کہ دیکھو یہ چوڑیاں چاندی کی بنی ہوئی ہیں، اوپر کچھ سا لگا ہے اور یہ پانچ ہزار مانگ رہا ہے۔ میں نے کہا حاجی صاحب! یہ پانچ ہزار نہیں پانچ لاکھ مانگ رہا ہے۔ تو اچھل پڑے کہ چاندی کی چوڑیاں ہیں، اوپر کچھ لگا ہوا ہے تو پانچ لاکھ؟ اب اس کے لیے پلاٹینم چاندی تھا اور جو ہیرے لگے ہوئے تھے وہ انہیں کانچ کے ٹکڑے سمجھ رہا تھا۔ نہ سمجھنے سے چیز کی ویلیو (Value) تو نہیں جاتی، نہ سمجھنے والا محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نسبت اور اس میں اللہ کے نام کے جڑے ہوئے ہیرے بہت قیمتی ہیں۔ انہیں اگر ہم رسمالیں گے تو کچھ پلے نہیں پڑے گا۔ اب جس بندے کو پتا ہی نہیں اس کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا، کیا فرق پڑتا ہے؟ قیمت کا اندازہ بھی جاننے اور سمجھنے سے ہوتا ہے۔ اگر اس کی قیمت کا ادراک اور احساس ہو۔ کوئی ایسا طریقہ، کوئی ایسی سبیل، کوئی ایسا راستہ، کوئی ایسا ذریعہ جو ساڑھے چودہ سو سال کے فاصلے عبور کر کے یہاں سے روح کو اُٹھائے اور بارگاہِ رسالت میں کھڑا کر دے، اس سے قیمتی کیا ہوگا؟ دنیا میں اس سے بڑی نعمت کیا ہوگی؟ اس سے بڑا احسان اللہ کریم کا کیا ہوگا! ان باتوں کا ادراک کیجیے، انہیں جانیں، انہیں سمجھیں۔ ہم مسلمان روزہ رکھتے ہیں، عالم ہو یا ان پڑھ، صوفی ہو یا غیر صوفی ہر بالغ، عاقل انسان کوشش کرتا ہے سوائے چند بدبختوں کے، بدنصیبوں کے، ہر ایک کوشش کرتا ہے کہ روزہ رکھے، کیوں رکھتا ہے؟ سارا دن ہر چیز ہوتے ہوئے، بھوکا پیاسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ ثواب ہوگا۔ پوچھا جائے ثواب کیا ہوتا ہے؟ تو اسے یہ بھی پتا نہیں ثواب کیا ہے؟ یہی خیال ہے کہ ثواب کوئی اچھی چیز ہے، ثواب ملے گا۔ ثواب قرآن کریم بدلے کو کہتا ہے، جو چیز اس کے بدلے میں، اس کے معاوضے میں ملتی ہے۔ اس لیے کفار کو جو سزائیں ملیں گی قرآن نے ان کو بھی ثواب کہا ہے۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (سورۃ المطففین: 36) کفار کو کیا بدلہ دیا جائے گا، کیا ثواب دیا جائے گا؟ جو ان کا کردار تھا وہی لوٹایا جائے گا۔ لیکن یہ باتیں وہ نہیں سمجھتا۔ ثواب سمجھتا ہے، یہ ثواب ہے۔ صوفی کو، ذاکر کو، صاحب نسبت کو جب یہ ادراک ہو کہ اس سے تجلیاتِ باری زیادہ برسیں گی، انوارات زیادہ آئیں گے، برکاتِ الٰہی زیادہ آئیں گی اور فنافی الرسول ﷺ کی راہ کھلتی چلی جائے گی، میں بارگاہ

رسالت پناہی میں پہنچ جاؤں گا تو جو یہ سب جانتا ہے اسے کتنی قدر کرنی چاہئے؟ اُسے کتنی احتیاط لازم ہے۔ اسے کتنا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے اسے اس چیز کی معرفت عطا کر دی ہے تو یہ صرف دس دن کے لئے نہیں ہوتا یہ تو عمر بھر کی تربیت ہے۔ یہ مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کرو، اس کی عظمت بیان کرو۔ لیکن تمہاری آئندہ پوری زندگی اعتکاف بن جائے، کوئی غیر شرعی کام نہ کیا جائے، غیر ضروری بات نہ کی جائے، غیر ضروری بات نہ سُنی جائے۔

اللہ کی پناہ! ہم اتنے مشکل دور میں پھنس گئے ہیں کہ ساری قوم پورا دن خرافات سنتی ہے۔ پہلے جب صرف ریڈیو ہوتے تھے، خرافات کم تھیں۔ پھر ٹیلی ویژن آیا شام چار بجے سٹارٹ (Start) ہوتا تھا، رات ساڑھے نو دس بجے ختم ہو جاتا۔ کچھ چھوٹے موٹے ڈرامے، تھوڑا جھوٹ ہوتا تھا، اب ترقی ہوگئی ہے اب ٹیلی ویژن چوبیس گھنٹے چلتا ہے۔ اسے چوبیس گھنٹے چلانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ پھر ہمارے حضرات کیا کرتے ہیں کہ ایک جھوٹ کو دس دس بار دہراتے ہیں۔ جھوٹے ڈرامے، جھوٹی خبریں، جھوٹی افواہیں، سراپا جھوٹ۔ پھر ایک نیا ظلم شروع کیا ہے۔ یہ رمضان المبارک میں رمضان المبارک کے نام پر توہینِ رمضان کی جاتی ہے۔ میلا ٹھیلا بنا دیا گیا ہے۔ خواتین اور بچیاں بناؤ سنگھار کر کے آجاتی ہیں، نئے کپڑے پہن کر، اکٹھے بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ مساوات کر دی جاتی ہے، عورتیں اور مرد اکٹھے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ رمضان کا احترام ہو رہا ہے۔ پھر تالیاں بجتی ہیں، انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں، مذاق اُڑایا جاتا ہے پھر گانے گائے جاتے ہیں۔ اب تو نعتیں بھی گانوں کی طرز پہ بن گئی ہیں اور نعت لکھنا تو الاّ ماشاءاللہ کسی کو آتا ہی نہیں۔ نعت کیا ہے؟ نعت کا معنی ہے نبی کریم ﷺ کے مراتب اعلیٰ کا تذکرہ کیا، آپ کی شان بیان کی۔ آپ کی عظمت بیان کی، وہ تو نعت ہے لیکن جس میں صرف مانگا جا رہا ہے وہ نعت کیسے ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ مجھے وہ مل جائے، یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ مل جائے اسے نعت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ نعت کا مطلب ہے نبی کریم ﷺ کے اوصافِ کریمہ کا بیان۔ وہ کہیں ملتا ہے آپ کو؟ کوئی نہیں۔ یہ کہنا کہ حضور ﷺ! مجھے وہ مل جائے، مجھے یہ بھی دے دو، مجھے وہ بھی دے دو، یہ کون سی نعت ہے؟ بھئی یہ تو نعت کے نام پر بھی خرافات ہیں۔ اب مصیبت یہ ہے کہ ساری خرافات موبائل پہ آرہی ہیں۔ جب سے تھری جی (3G) فور جی (4G) آیا ہے، کسر ہی نکل گئی ہے۔ اب سارا ویسٹ (West) کا جو کلچر (Culture) ہے، غیر مہذب تہذیب کا نمونہ ہے۔ تہذیب سے عاری تہذیب، جانوروں والی تہذیب، وہ ساری ہر موبائل (Mobile) پر آگئی ہے۔ بدکاری کی تصاویر بھی موبائل پر آگئی ہیں اور ہر برائی کی تصاویر بھی اور جو جہان کا جھوٹ ہے وہاں موجود ہے۔ اس پہ ظلم یہ ہے کہ جس کا جو جی چاہتا ہے وہ فیس بک (Face Book) پہ ایک فتویٰ چھاپ دیتا ہے اور لوگ ایسے سادہ ہیں، بڑے خوش ہو جاتے ہیں کہ فیس بک (Face Book) پر میرے دوست ہیں۔ خدا کی لعنت! سارا جھوٹ اس پہ چھپتا ہے۔ مسئلہ پوچھنا ہے تو اہلِ علم سے پوچھو، علماء حضرات سے پوچھو، فیس بک (Face Book) پہ کیا مسئلہ ہے۔ ا۔ ب۔ ج جو جس کا دل چاہتا ہے وہ چھاپ دیتا ہے۔ اگلے دن کسی نے چھاپ دیا۔

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

یہ بدعت ہے، بدعت جہنم میں گرا دیتی ہے۔ پتا نہیں کتنے لوگوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا یار! اتفاقاً کوئی بھوکا پیاسا رہ جائے تو روزہ نہیں ہوتا۔ روزے کے ارادے سے روزہ رکھے تو تب روزہ ہوتا ہے۔ نیت ضروری ہے اور نیت کہتے ہیں قلبی ارادے کو۔ ہم زبانی دہراتے ہیں اس لئے کہ ہمیں قلبی ارادے یاد نہیں رہتے تو اپنی یاداشت کے لئے ہم زبانی کہہ دیتے ہیں کہ میں روزہ رکھتا ہوں، اگر وہ عربی میں کہہ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ آپ نے پنجابی میں کہنا ہے، پشتو میں کہنا ہے، اُردو میں کہنا ہے، تو آپ عربی میں کہہ دیں تو کیا حرج ہے؟ بدعت تب بنتی ہے جب کسی چیز کو دین کا حصہ قرار دیا جائے اور اس کے نہ کرنے والے کو گنہگار سمجھا جائے وہ بدعت بن جاتی ہے۔ ورنہ ہر چیز تو بدعت نہیں ہے۔ پھر تو آج کل کا لباس بھی بدعت بن جائے گا، آج کی یہ جو چائے پیتے ہیں یہ بھی اُس دور میں نہیں تھی یہ بھی بدعت ہو جائے گی۔ یہ جو ہوائی جہازوں پہ اور بسوں پہ سفر کرتے ہیں اور کاریں رکھتے ہیں سب بدعت ہو جائے گی۔ ہر نئی چیز جو دین میں داخل کی جائے وہ

بدعت ہوتی ہے۔ اگر کوئی سمجھے کہ یہ عربی نیت جو ہے، ضروری ہے، جو نہیں کرتا اس کا روزہ ہی نہیں ہوتا تو بدعت ہوجائے گی۔ اگر آپ نماز میں پنجابی، پنجابی میں نیت کرلیتا ہے پٹھان پشتو میں نیت کرلیتا ہے، اردو والا اردو میں نیت کرلیتا ہے، تو وہ نماز کا حصہ ہوتی تو عربی میں ہوتی؟ ہم چار رکعت نماز نیت کرتے ہیں اگر ہم زبان سے نہ دہرائیں ہمیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ ہم نے دو پڑھنی ہیں یا چار پڑھنی ہیں۔ ہمارے دلی ارادے اتنے کمزور ہیں۔ ہم دو کی نیت کرتے ہیں یا چار کی نیت کرتے ہیں تو زبان سے اس لیے دہراتے ہیں کہ یاد رہے۔ تو میں نے کہا، یہ کیسے بدعت ہوگئی۔ آپ اردو میں نیت کرتے ہیں، پنجابی میں نیت کرتے ہیں، اگر عربی میں کرلی تو زیادہ اچھی بات ہے، بدعت کیسے ہوگئی؟ اس طرح کی خرافات فیس بک پر آتی ہیں۔ پھر جھوٹی خبریں، جھوٹی تصاویر بنا کر لوگوں کی شائع کردیتے ہیں۔ تو اس دور میں تو اعتکاف ہی ہے جو خرافات سے بچائے۔ تو بندہ دنیا سے کٹ کر جیئے اور جینا بھی دنیا میں ہے تو مزہ ہی تب ہے دنیا میں جیئے اور دنیا سے کٹ کر جیے۔ اپنا کاروبار بھی کرے، اس میں حرام شامل نہ ہونے دے۔ باتیں سنے لیکن جھوٹ نہ سنے۔ تو یہ ایک کورس (Course) ہے جسے ہم نے عمر بھر نبھانا ہے اور اللہ کریم ہیں، ہر چیز میں بڑی حکمتیں ہیں۔ مرغابی پانی میں عمر بسر کردیتی ہے لیکن اس کا بدن گیلا نہیں ہوتا۔ اللہ نے اُسے پر ایسے دیئے ہیں کہ پانی اندر نہیں جاتا۔ مومن دنیا میں جیے لیکن دنیا دل میں نہیں اترنی چاہیے، دل اللہ کی یاد میں رہے، دل صاف رہے، زندگی کو سمجھ کر جینا چاہیے۔ ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے، کوئی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہوسکتا ہے۔ تو اللہ نے توفیق بخشی، ہر انسان جتنا اس کا اختیار ہے اتنے کا وہ مکلف ہے۔ جہاں تک اپنا اختیار ہے حرام سے بچیں، جھوٹ کی محفل سے اُٹھ کر چلے جائیں، جھوٹوں کے پاس مت بیٹھیں۔ اولاد کی تربیت از خود ہوتی ہے۔ اولاد والدین کو دیکھ کر بڑھتی رہتی ہے۔ میں ایک دفعہ سرگودھا میں تھا تو ایک شخص میرے پاس آیا اس کے ساتھ آٹھ دس سال کا بچہ تھا۔ باتیں کرتا رہا تو مجھے کہنے لگا کہ میں اس بچے کو صقارہ اکیڈمی میں داخل کراؤں گا۔ وہ شخص کسی وجہ سے، کچھ دیر کے لئے باہر گیا، کچھ دیر کے لئے اُٹھا تو وہ بچہ مجھ سے کہنے لگا، حضرت! ابا جی آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں، مجھے داخل نہیں کرائیں گے، جھوٹ بول رہے ہیں۔ بچوں کی تربیت اس طرح ہوتی ہے۔ جب آپ خود سچ بولیں گے تو بچے بھی سیکھیں گے۔ کہنے سے نہیں ہوتا کہ بیٹا سچ بولے وہ، خود جھوٹ بولو اور بیٹا سچ بولے گا۔ کہتا ہے یہ بھی جھوٹ بولے گا۔ یہ بھی مجھے جھوٹے دل سے کہہ رہا ہے، خود جھوٹ بولتا ہے تو میں کیوں سچ بولوں؟

تو اللہ کا معاملہ اور ہر ایک کے اپنے اپنے نصیب بھی ہیں۔ اللہ بچوں کے نصیب بھی اچھے کرے اور انھیں ہدایت نصیب فرمائے۔ انسان اپنی زندگی کو سیدھا کرلے، بہت سے معاملات سیدھے ہوجاتے ہیں۔ ان محنتوں کو ان گھڑیوں کو، زندگی میں تبدیلی لانا چاہیے ورنہ محض دس دن بیٹھے، اُٹھ کر چلے گئے تو کیا فائدہ۔ شاید اس کی پوچھ گچھ زیادہ خطرناک ہو کہ تمھیں تو میں نے اعتکاف کا موقع بھی دیا تھا پھر تم ویسے کے ویسے ہی رہے۔ میں نے تمھیں رمضان بھی بخشا تھا پھر تم کیوں رمضان کے بعد ویسے کے ویسے ہی رہے۔ میں نے تمھیں حج کا موقع دیا، بیت اللہ آ کر، روزِ محشر کی طرح کفن لپیٹ کر، میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے پکارا، واپس گئے پھر ویسے کے ویسے رہے۔ تو یہ شاید بجائے نجات کے شدید جرم بن جائے، عذاب کا سبب بن جائے۔ تو نظر ثمرات پہ ہونی چاہیے پھلوں پہ ہونی چاہیے۔ یہ موسم بہار ہے اذکارِ الٰہی کا، خلوت کی صحبتوں کا، یادِ الٰہی کا۔ اللہ کریم سب کو اس کے بہترین ثمرات اور نتائج نصیب فرمائے۔ (آمین)

....

ضرورتِ رشتہ

ایک لڑکا عمر 27 سال قد 5 فٹ 9 انچ، تعلیم M.Phil (Economics)، سی ٹی ڈی پنجاب گورنمنٹ میں ملازم ہے۔ کو 18 سے 26 سالہ عمر کی لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔ والدین درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-4102897

تزکیہ وآدابِ شیخ

1۔ تزکیہ کیا ہے؟
2۔ نسبت وصاحب نسبت
3۔ آدابِ شیخ

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ اور تمام حقیقی سلاسل تصوف میں بیعت، محبتِ شیخ، اذکار وآداب سلسلہ اور آداب شیخ کو بنیادی حقیقت حاصل ہے۔ موجودہ دور مشینی دور ہے۔ اس میں ہم جہاں اور دیگر معاملات میں شارٹ کٹ کے متلاشی ہوتے ہیں تصوف میں بھی ہماری خواہش یہی ہوتی ہے کہ بغیر اتباع وآداب شیخ تصوف کے منازل سلوک طے کیے جائیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک پرندے کے تمام پر کاٹ دیے جائیں اور پھر امید یہ رکھی جائے کہ یہ آسمان کی بلندیوں کو چھولے گا۔ جس طرح وہ پرندہ اڑنے کی شدید خواہش کے باوجود ہلکی سی اڑان نہیں بھر سکتا بالکل اسی طرح راہِ سلوک کا مسافر بھی کامل اتباع وآداب شیخ کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ تحریر کو طوالت سے بچاتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ سالکین کو آداب شیخ کے متعلق بتایا جائے۔ اس سے قبل تزکیہ اور ضرورتِ شیخ وبیعت کا مختصراً احوال ذکر کیا گیا ہے۔

تزکیہ کیا ہے؟

قرآن کریم میں چار مختلف مقامات پر سورۃ البقرہ 121 اور 151 پر، آل عمران 164 پر اور الجمعہ 2 پر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی ذمہ داریوں کا ذکر ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ آل عمران:164)

"اللہ کریم کا مومنین پر احسان ہے کہ خود انہی میں سے ایک ایسا

نوید اشرف، واہ کینٹ، راولپنڈی

پیغمبر جو اللہ کی آیات سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب ودانائی کی تعلیم دیتا ہے۔"

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ"۔۔۔ اللہ کریم کے احسانات تو کائنات کے ذرے ذرے پر ہیں لیکن اہل ایمان پر خصوصاً اللہ کا احسان ہے کہ "اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ"۔۔۔ اور وہ احسان یہ ہے کہ اس نے ان میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ کریم کے بیشمار احسانات ہیں۔ زندگی اس کا احسان ہے، صحت اس کا احسان ہے، ایک ایک خصوصیت سمع وبصر اس کا احسان ہے، عقل وخرد اس کا احسان ہے اور ایک ایک لقمہ، ایک ایک ذرہ، پانی کا ایک ایک قطرہ، ہوا کا ایک ایک جھونکا ہر شے اسی کے احسانات کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ سارے اُسی کے احسان ہیں لیکن ایک بہت بڑا احسان جو ساری مخلوق سے ہٹ کر صرف ان لوگوں پر فرمایا جنھیں ایمان نصیب ہوا اور وہ ہے بعثت رسول ﷺ۔ اب اس احسان یعنی منصب رسالت ﷺ کی وضاحت فرمائی "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ"۔۔۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ بندے کو دعوت الی اللہ دیتے ہیں، اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔

"وَيُزَكِّيْهِمْ"۔۔۔ تو اس کا تزکیہ فرماتے ہیں، اس کا دل پاک کر دیتے ہیں، دل کو صاف کر دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جب مبعوث فرمایا تو جو بات انہوں نے فرعون سے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی۔

"فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾" (سورۃ نازعات:18) کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرا تزکیہ کر دوں۔ تیرے دل کو پاک کر دوں اور دل میں پاکیزگی آنے سے کیا ہوگا؟ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ۔۔۔ میں تیرا تعلق تیرے پروردگار سے

جوڑوں گا اتنا تعلق کہ تجھے اس سے حیا آنے لگے۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے تجھے اللہ سے حضوری نصیب ہوجائے۔ یہ بات اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوتِ تزکیہ ان کی اپنی شان کے مطابق تھی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی قوتِ تزکیہ ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف، قبطیوں کی طرف، فرعون کی طرف، ایک مخصوص قوم کی طرف، ایک مخصوص ملک میں، ایک مخصوص عہد کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ پوری انسانیت کے لیے، ساری دنیا کے لیے، سارے زمانوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے مبعوث ہوئے۔ جس قوت کا منصب و فریضہ ہے ویسی ہی قوتِ تزکیہ بھی ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوتِ تزکیہ کا کمال یہ ہے کہ اگر فرعون بھی ان کی بات قبول کرے تو اسے بھی پلک جھپکنے میں صحابی بنا دیں اور شرفِ صحابیت سے نواز دیں۔

اور جب تزکیہ ہوتا ہے تو وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔۔۔ تو پھر انھیں قرآن و مفاہیم قرآن تعلیم فرماتا ہے۔ قرآن اور پھر ارشاداتِ رسول اکرم ﷺ قرآن کی تفسیر ہیں۔ عمل رسول ﷺ قرآن کی تفسیر ہے لیکن تعلیم کے قابل بندہ تب ہوتا ہے جب اس کا تزکیہ ہوجائے اور اگر خدانخواستہ کسی کا تزکیہ نہ ہو، کتاب وحکمت اسے نفع نہ دے گی۔ جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا، نہ ان کا تزکیہ ہو سکا نہ انہیں کتاب وحکمت کوئی فائدہ دے سکی۔ جنہوں نے ایمان قبول کیا لیکن دل کو تزکیہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں پیش نہ کیا، منافق کہلائے۔ کتاب وحکمت انہیں بھی کوئی فائدہ نہ دے سکی۔

اللہ کریم نے فرمایا "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ "(سورۃ النساء:145) منافقین کو میں کافروں سے بھی نچلے درجے میں ڈالوں گا۔ یعنی تزکیہ نہ ہوا تو نہ صحبتِ رسول ﷺ نے کوئی فائدہ دیا، نہ کتاب وحکمت نے کوئی فائدہ دیا اور یہ منافق وہ لوگ تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نمازیں پڑھیں۔ آپ ﷺ کے دستِ حق پرست سے ہاتھ ملایا۔ آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ارشادِ عالی اپنی کانوں سے سنے، جہاد میں بھی ساتھ رہے لیکن اللہ کریم نے فرمایا کہ میں انھیں کافروں سے بھی نچلے درجے میں رکھوں گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے دل تزکیے کے لیے پیش نہیں کیے، محض دنیوی فائدہ کے لئے اسلامی ریاست کے ساتھ رہے (اکرم التفاسیر)۔ اور جن کا تزکیہ ہوا انہوں نے ایک عالم کو خدا آشنا کر دیا۔ صحرا کی گود سے مٹھی بھر اٹھے اور پھر روئے زمین سے کفر کی بساط الٹ دی، ظلم اور جور کی بساط پلٹ دی، ناانصافیوں کی بساط لپیٹ دی اور مزے کی بات یہ ہے کہ کافر کو بھی اگر تاریخ انسانی میں کبھی انصاف نصیب ہوا تو مسلمانوں اور اہل اسلام کے زیرنگیں آکر نصیب ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد جس شخص کا تزکیہ سب سے اعلیٰ ہوا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ تم سے مال میں یا جان میں یا کسی صفت میں تگڑا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ نے جو میرے دل میں ڈال دیا وہ سب میں نے اس کے دل میں ڈال دیا۔ وہ سب پر بازی لے گیا۔ یعنی جو تبدیلی دل میں آئی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ سیدنا فاروق اعظمؓ کو دیکھ لیجیے، پوری کائنات میں ابوبکر صدیقؓ کے بعد دوسرے درجے پر جسے یہ نعمت نصیب ہوئی۔ خلفاء راشدین میں علی الترتیب وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں، حضرت عثمانؓ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

قرآن کریم کا سب سے پہلے غیر عربی زبان میں جو ترجمہ ہوا وہ فارسی ہے۔ مسلمانوں نے کسریٰ ایران کی سلطنت کو فتح کیا تو بڑے بڑے جید علماء اسلام میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اسلام کو سمجھا اور اپنایا۔ آپ کو اکثر و بیشتر تفاسیر اور احادیث کے مصنفین ایران سے ملیں گے۔ انہوں نے قرآن حکیم کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا تو لفظ تزکیہ کا ترجمہ انہوں نے تصوف کر دیا۔ اس تزکیے کے لفظ کو جب انہوں نے فارسی میں ڈھالا تو اس کا ترجمہ تصوف کر دیا۔ تزکیہ کا معنی بھی قلب کو پاک کرنا ہے اور تصوف کا معنی بھی صفاء باطن وصفائے قلب ہے۔

تزکیۂ قلب خالصتاً انواراتِ الٰہی کا کام ہے۔ برکاتِ رسول ﷺ کا کام ہے اور یہ رسماً نہیں ہوتا، حکایتاً یہ بات نہیں بنتی، یہ وراثتاً ملتا ہے۔ جس طرح دین موروثی، قرآن موروثی، یہ حدیث موروثی ہے، نسل در نسل مسلمانوں کو منتقل ہوئی ہے۔ آج بنانے سے نہیں بنتی۔ آج بنانے سے قرآن نہیں بنتا۔ آج کسی کے بنانے سے حدیث نہیں بنتی۔

آج بنانے سے سنت نہیں بنتی۔ اسی طرح آج بنانے سے تصوف نہیں بنتا۔ یہی محمد الرسول اللہ ﷺ کی برکات ہیں۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام ؓ کو، ان سے تابعین ؒ کو، ان سے تبع تابعین ؒ کو اور امت کو نصیب ہوئیں، آج بھی وہی ہیں۔ قرآن بھی ہمیشہ رہے گا، کتاب بھی ہمیشہ رہے گی، نسبت بھی رہے گی، تعلیمات نبوی ﷺ بھی رہیں گی۔ تو برکات رسول اللہ ﷺ بھی رہیں گی۔ کوئی انہیں ختم نہیں کر سکے گا، انہیں کوئی خطرہ نہیں بلکہ خطرہ ہم لوگوں کو ہے کہ ان سے محروم ہو کر ہمارا کیا بنے گا۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾" (سورۃ الاعلیٰ: 14)

تحقیق وہ شخص کامیاب ہوا جو ستھرا ہو گیا۔

وہ شخص جیت گیا جس نے اپنا تزکیہ کر لیا یا تزکیہ کے مقام کو حاصل کر لیا۔ یہ ایک عجیب حالت اور کیفیت کا نام ہے۔ انسان کا تزکیہ یہ ہے کہ تمام کائنات میں وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھے، اور کسی کو اپنے اوپر سوار نہ ہونے دے۔ انسان دنیا میں بیشمار ضرورتیں رکھتا ہے، بیشمار حاجتیں رکھتا ہے اور مختلف چیزوں کا محتاج ہے۔ اپنی حاجت براری کے لیے مختلف چیزوں کا محتاج ہے لیکن تزکیہ یہ ہے کہ محتاج اور ضرورتمند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے، کسی دروازے سے امید وابستہ نہ کرے اور کسی کی غلامی کو اس وجہ سے قبول نہ کرے کہ یہاں سے مجھے نفع ہو گا یا میرا نقصان ہو گا۔ تزکیہ یہ ہے کہ پوری خدائی میں اپنے آپ کو صاف ستھرا اور الگ تھلگ رکھے اور یہ کتنا مشکل کام ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں بسنے والا انسان اس ساری کائنات سے مستغنی ہو۔

تزکیہ یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ بات آ جائے کہ مخلوق کے سامنے بالکل نہ جھکے۔ اس لیے کہ وہ بھی مخلوق ہے میں بھی مخلوق ہوں۔ اگر میں محتاج ہوں تو دوسرا کون ساغنی ہے، وہ بھی محتاج ہے۔ تزکیہ کا حاصل یہ ہے کہ عبادات کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نام، رب کے نام کا ذکر نصیب ہو جاتا ہے۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾"

(سورۃ الاعلیٰ: 146-145)

وہ یقیناً کامیاب ہوا جس نے اپنا ذاتی تزکیہ کر لیا اور نتیجتاً تزکیہ سے کیا حاصل ہوا۔ ذکر اسم رب، اللہ کے ذاتی نام کا ذکر اور اللہ کی اطاعت اور بندگی۔ تو گویا تزکیہ وہ کمال ہے جو صحبت پیامبر ﷺ سے حاصل ہوتا ہے جس میں ضدین کا اجتماع ہے کہ ساری خدائی کے سامنے بالکل نہ جھکے اس لیے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں۔ تو اس سے پھل کے طور پر جو بڑا انعام نصیب ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نام کا ذکر، اللہ اللہ اللہ، اسے نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی کائنات میں ایک اصول ہے کہ جو جس شے کا پھل ہوتا ہے وہی اس کا تخم بھی ہوتا ہے۔ جس درخت پہ، جس بیل پہ جو پھل لگتا ہے وہی درخت یا بیل اسی پھل سے اگتی ہے، اسی کو اس کا بیج قرار دیا جاتا ہے۔ تو قرآن کریم نے یہ طریقہ ارشاد فرمایا

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾"

(سورۃ الاحزاب: 41)

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ جس کے نتیجہ میں تزکیہ نصیب ہو جائے گا یعنی تزکیہ ہو گا تو اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق نصیب ہو گی اور اگر اللہ کا ذکر شروع کر دو تو پھر تزکیہ نصیب ہو جائے گا۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کا تعلق دوسرے کے ساتھ درخت اور پھل کا ہے۔ یعنی درخت لگاؤ اگر وہ آباد رہا، تر و تازہ رہا کٹ نہ گیا اجڑ نہ گیا تو اس پر یقیناً پھل آئے گا۔ اور پھل لگاؤ تو اس سے یقیناً وہی درخت پیدا ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی کو تزکیہ نصیب ہو جائے اور اس کے نصیب ہونے کی صورت یہ ہے کہ اسے پیغمبر ﷺ کی صحبت نصیب ہو جس میں یہ کمال ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔۔۔ جب تک آقائے نامدار ﷺ اس عالم آب و گل میں جلوہ افروز تھے تب تک کے لیے یہ سب سے آسان نسخہ تھا کہ انسان حالت ایمان میں آ جائے اور حضور ﷺ کی زیارت کر لے تو اسے انسانیت کا کمال نصیب ہو جائے گا۔ اس کا تزکیہ بھی ہو جائے گا، اسے عبادت کی توفیق بھی ارزاں ہو جائے گی۔ اسے اللہ کا ذکر کرنے کی استعداد بھی نصیب ہو جائے گی اور یہ واقعی تاریخی اعتبار سے بھی، عقیدے کے اعتبار سے بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس شخص کو بھی ایمان کی دولت کے ساتھ حضور ﷺ کی ایک نگاہ نصیب ہو گئی وہ انسانیت کے کمال کو پا گیا کیونکہ عنداللہ انسان جتنی بھی ترقی کر لے تو

غیر نبی کے لیے سب سے بڑا مقام صحبت نبی ﷺ ہونا اور صحابیت کے مرتبے کو پانا ہے۔ تو جو بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا وہ بیک نگاہ صحابیؓ ہو گیا اور تاریخی اعتبار سے اس طرح کہ وہی مؤرخ جس کا قلم ان لوگوں کے عیوب اور ان کی برائیاں لکھتے ہوئے نہیں کا نپتا ہے، یہ کمال صحبت ہے کہ عین اسی لمحے مؤرخ کا قلم بدل جاتا ہے اور وہ ڈاکوؤں کو عادل لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چوروں کو نیک لکھنے پر اور خانہ بدوشوں کو دنیا کا حکمران لکھنے پر مجبور ہے اور وہ لکھتا ہے یہ وہ لوگ نہیں رہے۔ یہ خانہ بدوش نہیں ہیں بلکہ "جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا" لکھنا پڑتا ہے۔ جس نے ایک آن میں کایا پلٹ کر رکھ دی اور بالکل لوگوں کی سوچ اور طلب تک تبدیل کر دی۔

جب حضور ﷺ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو تشریف لے گئے تو صحبتِ پیامبر ﷺ کا دروازہ بند ہو گیا۔ چونکہ صحبت کے لیے اتحادِ عالم بھی شرط ہے یعنی دونوں ایک عالم میں ہوں تو وہ کمالِ صحبت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوا جنہیں آپ ﷺ کے ساتھ اتحادِ عالم بھی حاصل ہوا۔ اس کے بعد صرف اور صرف تعمیرِ انسانیت کا ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ کوئی اللہ کے بندے کی صحبت میں پہنچے۔ یہ اکیلا اور واحد راستہ انسانیت کو پانے کا خدا نے باقی رکھا ہے اور اس کا احسان ہے کہ اس نے اس راستے پر چلنے والوں کے لیے ہمیشہ ہر دور میں اپنی زمین پر ایسے افراد موجود رکھے ہیں جو خود اس راہ کے مسافر ہوں اور دوسروں کو ساتھ لے کر چل سکیں۔

طریق نسبتِ اویسیہ:

ذیل میں قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیہ کے حصول کے کچھ اصول ذکر کیے جا رہے ہیں تا کہ اس راہ کا سالک گمراہی سے محفوظ ہو کر اپنی منزلیں طے کر لے۔

1۔ تزکیہ کا پہلا اصول نیک اور برکاتِ نبوی ﷺ کے حامل افراد کی صحبت ہے تا کہ مزکی قلوب کی صحبت میں رہ کر اپنے قلب میں بھی برکاتِ نبوی ﷺ کا حصول ممکن بنائے۔

2۔ اس سے پہلے فکری تزکیہ بھی ضروری ہے۔ جس طرح کسی عمارت کی تعمیر سے پہلے اس کے منصوبے اور نقشے کی ضرورت پیش آتی ہے اس طرح عملی تزکیہ کے لیے بھی خیال، فکر، سوچ اور عقیدہ کی تطہیر کے بغیر عمل صالح کی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ عقیدے کی مثال تخم کی سی ہے۔ آپ کانٹے بو کر پھول نہیں حاصل کر سکتے۔ صفاتِ الٰہی کی جامعیت کے عقیدے کو کسی مخلوق سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ عقیدے کا فساد بدعات کی شکل میں اپنی عملی تعبیر رکھتا ہے۔ صفاتِ الٰہی و توحید کا بیان قرآن شروع سے آخر تک بیان کرتا ہے۔ جہاں یہ کمزور ہوا وہاں تزکیہ کے عمل میں فساد شروع ہو جاتا ہے۔

3۔ نیت کی صفائی اور پاکیزگی بھی تزکیہ کی ایک بنیادی شرط ہے۔ جس کے بغیر تزکیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیت کا معاملہ دل سے ہے۔ حدیث پاک ہے:

''سن لو یقیناً انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب یہ صحیح اور تندرست رہتا ہے تو سارا جسم صحیح اور سلامت رہتا ہے اور جب یہ لوتھڑا کسی فساد کا شکار ہوتا ہے تو سارا جسم فساد زدہ ہو جاتا ہے۔ سنو یہ دل ہے'' (بخاری، کتاب الایمان، باب:39، حدیث:52)

''اعمال کا دارو مدار نیت پر ہی ہے''۔

4۔ قرآن وسنت کا مستند علم بہت ضروری ہے۔ قرآن وسنت سے متصادم کوئی بھی علم وعمل، تزکیہ کے حصول کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کی ضد ہو گا۔

5۔ نیک، صالح، راست باز اور ذاکرین کی صحبت حصول تزکیہ میں حتمی اہمیت رکھتی ہے۔ ارشاد باری ہے "وکونو مع الصادقین" تصوف وتزکیہ کے تمام اصول قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن وحدیث میں نہیں، بالکل غلط ہے۔ یہ یقینی ہے کہ بیعتِ طریقت کی ضرورت عام نہیں لیکن پھر بھی نفس میں بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں جو بدون محقق و کامل شیخ کے سمجھ میں نہیں آتے۔ شیخ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور علاج بتلاتا ہے۔

صوفیاء کی اصطلاح میں کم سے کم وہ درجہ جس پر ولی کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس شخص کا ہے جس کا دل ہر وقت اللہ کی یاد میں ڈوبا رہتا ہو۔ وہ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں رہتا ہے، اللہ کی محبت سے سرشار رہتا ہے، کسی اور کی محبت غالب نہیں ہوتی۔ اگر کسی سے محبت بھی کرتا ہے تو رب کی خوشنودی کے لیے اور نفرت بھی کرتا ہے تو اللہ کی رضا

مقصود ہوتی ہے۔ وہ کسی کو کچھ دیتا ہے تو اللہ کی رضا کے لیے اور نہیں دیتا تو بھی اللہ کی رضا کے لیے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اس صفت کو فناء قلب کہا جاتا ہے۔ ولی کا ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے۔ جو اعمال و اخلاق اللہ کو ناپسند ہیں وہ ان سے پرہیز کرتا ہے۔ شرک خفی و جلی سے پاک رہتا ہے بلکہ وہ شرک جو چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ خفی ہے اس سے بھی بچتا ہے۔ غرور، کینہ، حسد، حرص اور ہوس سے منزہ ہوتا ہے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ جب اللہ کا بندہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ ولایت کے ابتدائی درجہ کی طرف اللہ نے "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے اشارہ فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے۔ یعنی حقیقتِ ایمان اُن کے اندر پیدا ہوگئی۔ ایمان کا محل قلب ہے۔ کمال ایمان یہ ہے کہ یاد سے دل میں اطمینان پیدا ہوجائے۔ اللہ کے ذکر سے لحہ بھر غافل نہ ہو۔ کسی دوسرے کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ دوسرے مرتبے کی طرف اشارہ فرمایا" وکانوا یتقون" اور شرک ومعاصی سے پرہیز رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ کے اوامر ونواہی کی ظاہری اور باطنی ہر طرح پابندی کرتے ہیں۔

ابوداؤد کی حدیث شریف ہے، حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء ہیں لیکن قیامت کے دن ان کے مرتبۂ قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا جو بندگانِ خدا سے محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں، آپس میں نہ ان کی رشتہ داریاں ہیں نہ مالی لین دین۔ خدا کی قسم اُن کے چہرے نور کے ہوں گے ہالائے نور۔ جب اور لوگوں کو خوف ہوگا ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ اور جب اور لوگ غم میں مبتلا ہوں گے وہ غمگین نہیں ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

(سورۃ یونس:62)

بغویؒ نے ابو مالک اشعریؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہی لکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ" کا معنی دریافت کیا گیا۔ فرمایا، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ ابن مردویہؒ نے حضرت جابر کی روایت سے ایسا ہی لکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں۔ فرمایا، جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد آتی ہے۔ حدیث کریم ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں" میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے"۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ" کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سے اچھے لوگ کون ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ضرور فرمائیے۔ فرمایا، جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آتے ہیں"۔ (تفسیر مظہری ص 517)۔

امام رازیؒ نے اپنی مشہور تفسیر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۵﴾ فرمادیا تو بات ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ پھر فرمایا" صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ" یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مریدوں کے لئے ہدایت اور کامل مقام پر پہنچنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ یہ ایسے کامل کی اتباع کرے جو اسے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

(سورۃ الفجر:29-30)

میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا اور پھر میری جنت میں داخل ہوجا۔ اس میں پہلے اللہ کے صالح اور نیک بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے۔ پھر جنت میں داخل ہونے کا اس میں اشارہ پایا جاتا ہے یعنی جنت کا داخلہ اس پر موقوف ہے کہ پہلے میرے نیک بندوں میں شامل ہوجا۔ جو ان نیک اور مخلص بندوں کے گروہ میں داخل ہوگیا وہ ان کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوگا۔ اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

(سورۃ النمل:19)

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا میں فرمایا:

والحقنی بالصالحین

معلوم ہوا کہ صحبت صالحین وہ نعمت کبریٰ ہے کہ انبیاء بھی اس سے مستغنی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے اس درجہ تک نہیں پہنچ پاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا

''المرء مع من احب''

یعنی ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی محبت وصحبت انسان کے لئے حصولِ ولایت کا ذریعہ ہے۔ مگر یہ صحبت ومجالست انہی لوگوں کو مفید ہے جو خود ولی اللہ متبع سنت ہوں۔ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے تابع نہیں وہ خود درجہ ولایت سے محروم ہے، چاہے کشف وکرامات اس سے کتنے ہی صادر ہوں اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو اگرچہ اس سے کبھی کشف وکرامت ظاہر نہ ہوئی ہو وہ اللہ کا ولی ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ (حم السجدۃ:33)

اور ان سے بہتر کن کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے جو بھی شخص اللہ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مستحق ہے۔ خواہ اعمالِ ظاہرہ کی طرف بلائے یا اعمالِ باطنیہ کی طرف۔ جیسا کہ مشائخ صوفیاء معرفتِ الٰہی کی طرف بلاتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝ (سورۃ التوبہ:119)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر میں فرماتے ہیں یہ حکم سچے لوگوں کے ساتھ رہنے کا ظاہر قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ مسلمانوں کا مجمع کسی زمانہ میں صادقین سے خالی نہ ہوگا۔ نیز مفسرین کرام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''کونو مع الصادقین'' تو اب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا کہ وہ قیامت تک اہل اللہ کو پیدا فرماتے رہیں گے کیونکہ اللہ نے اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی زمانہ میں قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل محال ہوجائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ''جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر چیز منور ہوگئی تھی۔ اور جس دن آپ ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور ہم آپ ﷺ کے دفن کے بعد ہاتھ سے مٹی بھی نہ جھاڑ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا۔'' یعنی صحابہ کرامؓ جیسی مقدس ہستیوں نے بھی تسلیم کیا کہ جو کیفیت نبی کریم ﷺ کی صحبت میں ہوتی تھی وہ بغیر صحبت کے نہیں ہوتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''اچھے اور برے دوست کی مثال کستوری والے اور بھٹی والے کی طرح ہے۔ کستوری والا یا تمہیں عطا کردے گا یا تم اس سے خرید لوگے۔ بھٹی والا یا تمہارے کپڑے جلا لے گا یا تم اس سے بدبو پاؤ گے۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی کرلیتے ہیں یا مجوسی کرلیتے ہیں۔''

(جاری ہے)

تصحیح

اگست کے شمارے میں مضمون ''من الظلمت النور'' میں صفحہ نمبر 47 پر (1) مصرعہ نمبر 7، کو اس طرح پڑھا جائے۔

؎ بے ذوق تھی تحریر وتقریر کس قدر

(2) مصرعہ نمبر 12، کو اس طرح پڑھا جائے۔

؎ نگاہ نے آپ کی حیوان سے انسان کیا ہے۔

''حضرت اُسامہ بن زیدؓ'' بچوں کا صفحہ میں پہلے کالم میں سطر نمبر 17۔16 یوں پڑھا جائے۔

حضرت اسامہؓ حضور اکرم ﷺ کے نواسے حضرت حسنؓ کے ہم عصر تھے۔

خواتین کا صفحہ

حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا بنتِ زبیر

نام ونسب:

حضرت ضباعہؓ بارگاہِ نبوت میں بڑی قرابت ورتبے والی صحابیہ ہیں۔ حضور ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبداللہ کی سولہ اولادیں تھیں۔ جن میں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ مردوں میں ایک تو آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہؓ تھے اور بقیہ نو چچا یہ ہیں زبیر، ابوطالب، عباسؓ، ضرار، حمزہؓ، مقوم، ابولہب، جس کا نام عبدالعزیٰ ہے، نوفل اور حارث اور آپ ﷺ کی پھوپھیاں عاتکہؓ، امیمہ، بیضاء، ام حکیم، برہ، صفیہ ہیں۔ ان میں سے اسلام قبول کرنے والے حضرت صفیہؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ ہیں۔

یوں حضرت ضباعہؓ کا نسب کچھ یوں ہے ضباعہ بنتِ زبیر بن عبدالمطلب بن قاسم قریشیہ، ہاشمیہ ہے اور آپؓ حضور ﷺ کی چچا زاد بہن ہیں۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:1، ص:350)

حضرت ضباعہؓ کے والد:

حضرت ضباعہؓ کے والد زبیر نبی اکرم ﷺ کے بڑے چچا تھے اور ان کے ساتھ آپ ﷺ کے بچپن میں بڑے حسین لمحات گزرے۔ ان کی کنیت ''ابوطاہر'' تھی۔

علامہ سہیلیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''وہ قریش کے جوانوں میں سب زیادہ ظرف والے انسان تھے اور حضور ﷺ نے ان کی کنیت کی مناسبت سے اپنے بیٹے کا نام ''طاہر'' رکھا تھا۔

آخرت پہ یقین:

حضرت سہیلیؒ مزید لکھتے ہیں: ''کہ حضرت زبیر ان اشخاص میں سے تھے جو بہشت اور آخرت کا یقین رکھتے تھے۔ مکہ میں ایک ظالم شخص کی موت ہوئی۔ آپ کو خبر ہوئی تو پوچھا کس طرح مرا؟ بتایا گیا ''اپنی موت مرا'' تو کہنے لگے'' خدا کی قسم! ایک دن ضرور مقرر ہے جس میں اللہ مظلومین کو انصاف فراہم کرے گا۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آخرت کا اقرار کرتے تھے۔

بھتیجے سے پیار:

حضرت زبیر کو حضور ﷺ سے بہت پیار تھا۔ ''الروض الانف سیرتِ نبویہ'' کے حاشیہ پر ج:1، ص:32 میں درج ہے کہ'' زبیر بن عبدالمطلب شاعر تھے۔''

جب وہ حضور ﷺ سے بہت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے۔ تو آپ ﷺ کے لیے یہ اشعار پڑھتے تھے۔

محمد بن عبدم عشت بعیش انعم

اے محمد ﷺ بن عبداللہ جیتا رہے تو انعامات والی زندگی کے ساتھ۔

لا ذلت فی عیش عم دولۃ و مغنم

ہمیشہ تو اپنے چچا کی زندگی میں دورِ غنیمت میں رہتے۔

یغنیک عن کل العم وعشت حتیٰ تھزم

وہ (چچا) ہر چچا سے تجھ کو بے پردہ کردے گا اور تو جیتا رہ حتیٰ کہ بوڑھا ہو۔

بیٹی سے محبت:

اور ضباعہؓ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے والد ان سے بھی بہت محبت کرتے تھے اور ان میں خیر وبھلائی کو پاتے تھے اور اس بات کا اظہار چھوٹے چھوٹے قصیدے کہہ کر کرتے۔

یاحبذا ضباعة　مکرمة مطاعة

اے کیا ہی اچھی ہے ضباعہ کرام والی، اطاعت والی

لاتسرق الضباعة　لاتعرف الخلاعة

نہ سامان چوری کرتی ہے نہ بے حیائی کو جانتی ہے ایک مرتبہ فرمایا:

ان ابنتی لمحرة ذات الحسب

تاتمنع النار ولا فضل الحطب

"بے شک میری بیٹی آزاد ہے (غلام نہیں) حسب نسب والی ہے آپ سے منع کرتی ہے نہ فاضل لکڑیوں سے منع کرتی ہے۔" (گویا چھوٹی موٹی چیزوں سے منع نہیں کرتی)۔

قبولِ اسلام:

جب مکہ میں نورِ اسلام کی صبح طلوع ہوئی تو حضرت ضباعہ اولین لوگوں کے ساتھ اسلام سے مشرف ہوئیں۔ پھر پہلے قافلے کے ساتھ ہجرت سے سرفراز ہوئیں اور ہمیشہ جنت میں رہنے والوں کے دفتر میں لکھی گئیں۔ ان کے بھائی عبداللہؓ اور ان کی بہن ام حکمؓ جو دونوں ابنِ زبیر کی اولاد ہیں، یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو اولین اولین اسلام لے آئے۔

بابرکت شادی:

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ضباعہؓ کی شادی بہترین صحابیِ رسول ﷺ حضرت مقدادؓ بن اسود سے کی۔ حضرت مقداد ان سات بہادر صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے شروع میں اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ بدر میں دادِ شجاعت دی اور تمام جنگوں میں حضور ﷺ کے ساتھ شامل رہے۔

کتابوں میں یہ قصہ یوں آیا ہے کہ حضرت مقدادؓ بن اسود اور حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا "کیا بات ہے آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟" حضرت مقداد نہایت سادہ دل اور صاف گو تھے۔ انہوں نے سادگی سے جواب دیا "تم اپنی لڑکی سے میری شادی کر دو۔" حضرت عبدالرحمٰن کو غصہ آ گیا۔ حضرت مقدادؓ کو سختی سے جھڑکا تو حضرت مقدادؓ نے بارگاہِ رسالت میں شکوہ کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے چہرے پہ رنج و ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا، اگر کسی کو تمہیں اپنی بیٹی دینے سے انکار ہے تو ہونے دو۔ میں تمہیں اپنی بنتِ عم سے بیاہوں گا۔"

اور یوں ان کی شادی حضرت ضباعہؓ سے ہوگئی۔ اللہ نے حضرت ضباعہؓ کو قرابتِ رسول کے ساتھ حسن و جمال اور کامل عقل مندی سے بھی نوازا ہوا تھا۔

(الاصابہ، ج:3، ص:434، الطبقات، ج:2، ص:162)

اولاد:

الغرض یہ شادی دونوں کے لیے خیر و برکت کا باعث بنی اور پھر اللہ عزوجل نے حضرت مقدادؓ کو اتنا مالِ حلال دیا جس کا ان کو گمان بھی نہیں تھا اور اللہ کریم نے اس بابرکت جوڑے کو صالح اولاد سے بھی نوازا اور ان کے ہاں ایک لڑکا، عبداللہ اور لڑکی کریمہ پیدا ہوئی اور ان دونوں کی تاریخ میں بڑی شان ہے۔

حضرت ضباعہ کے شخصی فضائل و مکارم:

بارگاہِ رسالتؐ میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔ حضور ﷺ کبھی کبھی ان کے ہاں خود تشریف لے جاتے اور ان کے ہاں کھانا تناول فرماتے۔ اور کبھی وہ آپ ﷺ کے ہاں کھانا بھیجا کرتیں۔ ایک مرتبہ حضرت ضباعہؓ نے اپنی باندی سدرہ کے ہاتھ ایک چھوٹے پیالے میں حضور ﷺ کے ہاں کھانا بھیجا۔ آپؐ اس وقت ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا یہ ضباعہ نے بھیجا ہے؟ اور پھر کھانا رکھ لیا اور اس میں سب گھر والوں، سدرہ سمت کو شامل فرمایا سب نے خوب کھایا اور سیر ہو گئے۔

ابن عبدالبرؒ ایک مرتبہ حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے اور گوشت نوچ نوچ کر تناول فرمایا۔ ایک مرتبہ انہوں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور حضور ﷺ کے لیے چاہت کے ساتھ گوشت بھیجا۔

(الاستیعاب، ج:4، ص:424)

وہ سخی بھی تھیں اور بہادر بھی۔ مجاہدین کی صفوں میں شامل رہنے والوں میں سے تھیں۔ خیبر کے موقع پہ حضور ﷺ نے انہیں چالیس

اونٹوں کے بوجھ کے برابر اناج عطا فرمایا۔

(زاد المعاد، ج:4،ص:218)

روایتِ حدیث:

حضرت ضباعہؓ کی زندگی کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر سے گیارہ احادیث روایت کیں اور خود ان کے شوہر نے بیالیس احادیث روایت کیں۔

حج کا ارادہ:

حضرت ضباعہؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ حج کا ارادہ کیا پھر خوف لاحق ہوا کہ بیمار نہ پڑ جاؤں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو حضور ﷺ نے خاص ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ فرمایا کہو لبیک۔ (''اے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، میرے احرام سے حلال ہونے کی جگہ وہی جہاں مجھ کو مانع چیز پیش آجائے۔''

(سنن ترمذی، 941، ابنِ ماجہ، مسلم، بخاری)

اس حدیث سے حضرت ضباعہؓ کے حضور ﷺ کے ہاں اکرام کا پتہ چلتا ہے۔ بقول حضرت امام مالک کے، ان کے ساتھ ہی خاص تھی۔

حضرت ضباعہؓ کی مرویات میں سے ہے جس کو ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا۔ فرماتی ہیں ''یمن سے بہرا کا ایک وفد آیا جس میں تیرہ آدمی تھے اور وہ ہمارے دروازے پر رُک گئے۔ حضرت مقدادؓ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے گھر کے ایک حصے میں ٹھہرایا۔ پھر یہ حضرات حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور اسلامی احکام سمجھے۔ چند ایام قیام کیا اور رخصت ہوگئے۔ حضور ﷺ خود ان کو رخصت کرنے آئے اور اصحاب کو حکم دیا ان کے لیے تحائف لاؤ اور پھر وہ چیزیں انہیں دے کر رخصت کیا۔

وفات:

حضرت ضباعہؓ کی حیات مبارکہ ہجرت کے چالیسویں سال تک دراز رہی۔ جیسے ہی خلافتِ راشدہ کے بہترین سال پورے ہوئے، ان کی عمر بھی پوری ہوگئی۔

رضی اللہ عنہا

Siqarah The Learning Hub
International (SALHI)
A sister concern under Siqarah School System
Admissions Open Now
Play group,
Pre-Kindergarten(Nursery),
Kindergarten (Prep).
Cell: 0300-4245232
Offering
American Education System
SALHI
Opening Soon at
Dar-ul-Irfan, Munara
(Khushab Road, Dist Chakwal)

طب

اناس

Pine Apple

حکیم عبدالماجد اعوان (سرگودھا)

ایک مشہور رس دار پھل ہے اس پھل کے درمیان کا سخت حصہ نقصان دہ ہوتا ہے اسے کھانے کے استعمال میں نہیں لانا چاہیے۔ اناس کو خالی پیٹ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ آسام کا اناس بہت مشہور ہے اور زیادہ تر پاکستان میں یہیں سے آتا ہے۔ اسکے علاوہ یہ دنیا کے مختلف علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً فلپائن، تھائی لینڈ، برازیل اور چائنا میں بھی پایا جاتا ہے۔

کیمیائی اجزائے ترکیب:

اناس میں سٹرک ایسڈ، فاسفورک ایسڈ، سلفیورک ایسڈ، Lime، میگنیشا، فولاد، سلیکا، سوڈیم اور کلورائیڈ آف پوٹیشیم پائے جاتے ہیں۔

غذائی خصوصیات:

اناس وٹامنز اور منرلز کا خزانہ ہے۔ وٹامن سی اور مینگا نیز کا بہترین ذریعہ ہے۔ وٹامن سی مسوڑھوں کی صحت کو برقرار رکھتا ہے۔ قوت مدافعت کو بڑھاتا ہے۔ اناس میں پایا جانے والا جز مینگا نیز ہڈیوں کی نشوونما اور مضبوطی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اناس میں کیلشیم، فولاد، پوٹاشیم، کاپر، تانبا، وٹامن بی بھی پائے جاتے ہیں۔ تمام جوسز کی نسبت اس میں مینگا نیز کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال ذہنی تناؤ کو بھی کم کرتا ہے۔

ادویاتی خصوصیات:

اناس میں Sulfer Containing Proteolytic، انزائمز، خاص مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں Bromelain پائی جاتی ہے۔ تازہ اناس میں Bromelain کی خاص مقدار پائی جاتی ہے۔ جب کہ ڈبوں میں بند (Canned) اناس میں زیادہ تر Bromelain کی وجہ سے بہت سی ادویاتی خصوصیات موجود ہیں۔

سوزش اور سوجن:

1۔ سوزش اور سوجن کو ختم کرتا ہے روزانہ اناس کا پکا ہوا پھل استعمال کرنے اور خوراک میں صرف دودھ استعمال کرنے سے تقریباً پندرہ دنوں میں آرام آنے لگتا ہے پورے جسم کی سوجن، پیشاب کی رکاوٹ، پیشاب میں Albumin البیومن آ رہا، جگر بڑھ گیا ہو۔ ان سب کے لیے مفید ہے۔

2۔ پیٹ کے کیڑے:

پکا ہوا اناس روزانہ کھانے سے پیٹ کے کیڑے ختم ہوجاتے ہیں۔

3۔ پکے ہوئے اناس کے 25ml رس میں 3 گرام شہد ملا کر استعمال کرنے سے بخار کی شدت کم ہوجاتی ہے۔

4۔ اناس کا گودہ ململ کے کپڑے میں رکھ کر آنکھوں پر باندھنے سے آنکھوں کی سوزش ختم ہوجاتی ہے۔

5۔ شیرہ اناس 50 گرام میں مصری ڈال کر چوسنے سے ہچکی فوراً بند ہوجاتی ہے۔

6۔ اناس کا چھلکا باریک پیس کر پھوڑے پر لیپ کریں اس سے پھوڑا ختم ہوجاتا ہے۔

7۔ اناس کے پتوں کے رس کو اگر بچھو یا بھڑ کاٹ جائے اس پر لگایا جائے تو فوراً آرام آجاتا ہے۔

8۔ اناس کے پانی کو اچھی طرح پن کر چند بوند آنکھوں میں ڈالا جائے تو آنکھوں کی سرخی ختم ہوجاتی ہے آنکھوں میں ٹھنڈک پڑجاتی ہے اگر آنکھ میں درد ہو یا پانی بہتا ہو تو اس کے لیے بھی مفید ہے۔ (جاری ہے)

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج

F.sc(pre.med)	B.sc
Ics	F.sc(pre.eng)
F.A(IT)	I.com
	F.A

1۔ سائنس اور آرٹس تمام کورسز میں داخلہ جاری ہے۔

2۔ آغاز F.sc کلاسز یکم اپریل 2017۔

3۔ آغاز B.sc کلاسز 15 جولائی 2017۔

ادارے کی نمایاں خصوصیات	ہاسٹل کی نمایاں خصوصیات
تدریس بزریعہ لیکچر سسٹم اور ملٹی میڈیا	طالبات کے لیے خصوصی طور پر باجماعت نماز کا اہتمام
سٹوڈنٹس کے لیے Seminars اور Presentation کا انعقاد	ہاسٹل طالبات کی بہترین دینی، دنیوی اور اخلاقی تربیت کا انتظام
M.Sc اور M.Fhil تجربہ کار اساتذہ	طالبات کے لیے کالج کے بعد ایکسٹرا کوچنگ کلاسز
پریکٹیکلز کی تیاری سلیبس کے ساتھ ساتھ	طالبات کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں کا انعقاد
E.Cat اور M.Cat کے ٹیسٹ کی تیاری کی سہولت	طالبات کے لیے احادیث اور تصوف کی خصوصی کلاسز
جدید سامان سے آراستہ کمپیوٹر لیب اور سائنس لیب	طالبات کے مکمل تحفظ کے لیے دن رات سیکورٹی گارڈ
بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری	جنریٹر اور گیزر کی سہولت
انتہائی مناسب فیس کے ساتھ اعلیٰ معیار تعلیم	طالبات مڈل تا B.Sc ہاسٹل میں داخلہ لے سکتی ہیں

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

فون نمبر: 0543-562200، موبائل نمبر: 0332-8384222

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

صقارہ سائنس کالج

SIQARAH

بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2017 برائے جماعت لوئر مڈل سے ایف ایس سی

نمایاں خصوصیات

سیلکشن امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- کھیلوں کے وسیع وعریض میدان
- والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

محکمہ تعلیم کے نامور ماہرین کے زیر نگرانی

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

For more Info: www.Siqarahedu.com Ph: 0543-562222

stepping onto the path led by Satan/devil. In other words any path outside Islam is the path of Satan. May Allah (SWT) forgive us and grant us the capacity to obey our Beloved Prophet (SAWS). We must evaluate us in light of these Quranic Injunctions.

(۳) CONTENTMENT AND HOW IT CAN BE ATTAINED?

(AKRAM-UL-TAFSEER, Vol.3. Page 122)

(Al-baqarah 284) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

Assuredly whatever exists within the heavens and the earth belongs to Allah (SWT); in fact besides Allah (SWT) all that exists belong to Him (SWT). So O' mankind! Nothing is owned by you then why do you commit sins and resort to lies as well as usurp what belongs to others? This will be of no benefit to you as nothing belongs to you. Today you are alive; tomorrow you may not be here. What belongs to you today will be owned by someone else, when you depart. Power, wealth, land and other resources are all passed on to the heirs. Don't we see how we have things which were once owned by others? Certainly, these will be owned by others, in future. Nothing belongs to us. Everything belongs to Allah (SWT). Hence, we must be satisfied with the Divine distribution.

This is a world of Causes and Effects (عالمِ اسباب). It is an obligation upon everyone to employ means for living just as it is an obligation to pray and fast. It is Allah's Obedience to employ lawful means for earning a lawful livelihood; to seek means for one's protection and lead a peaceful life. However, it must be remembered that means or causes (اسباب) do not generate results. They are from Allah (SWT) as He (SWT) controls everything.

Often people get confused here and get trapped. Some get entangled in the Causes and become oblivious of Allah (SWT) and attribute their success to their wisdom and planning. Just as Qaroon responded to an advice; when he was asked to pay Zakat on the treasures given to him by Allah (SWT) he had haughtily said that it all belonged to him as he had amassed it with his acumen and that he was better than others.

It must be understood that all are created by Allah (SWT) and none is superior to another. It is only by Allah's (SWT) choice that he keeps them in different conditions. So wherever one maybe, one must discharge his obligations with honesty and be very sure of the fact that one day he has to appear before Allah (SWT). Those who have meager resources have lesser obligations, too, and thus they live in more ease and simplicity. When the resources and means increase the responsibilities also increase and in turn with each new responsibility one becomes more busy until a time comes when he does not even have time for his own self. The best attitude is to be contented over the worldly resources afforded by Allah (SWT) because every thing that exists belongs to Him alone! Be it in Heavens or Earth or the entire Universe.

(4) AFFLUENCE IS NOT AN EVIDENCE OF ALLAH'S NEARNESS.

(AKRAM-UL-TAFSEER, VOL 3, PAGE 148)

It is very common to evaluate a person on the worldly standards of wealth, power and his influence. The more resourceful he is the more he is held in esteem and often it is said that Allah (SWT) is very pleased with him. This opinion carries no weight or depth. Quran refutes this opinion and clearly states that having wealth or worldly power does not testify that Allah (SWT) is pleased with him. It is a Universal program devised by Allah (SWT), the Sustainer and Provider for the entire Universe and each individual is being tested. Money and affluence is a test for some and others some are tested in poverty. Allah (SWT) tests a person upon whom, He (SWT) has inflicted impoverishment as to whether he sticks to Him or forsakes Allah (SWT) and pins hope on others for a meager amount of money and a few morsels of bread. To those whom Allah (SWT) awards power and rule the trial is whether they take their power as a sacred trust of Allah (SWT) and obeys Him or becomes headstrong and follows only his whims.

The noble scholars have classified sins into two categories; the bigger sins (گناہ کبیرہ) and the lesser sins (گناہ صغیرہ). However, when they conclude the entire discussion they say that every sin is an act of disobedience to Allah (SWT), thus when seen in this context it is a grave crime. They opine that even a minor action done in defiance to the Commands of Allah (SWT) and His Prophet (SAWS) becomes a serious offence. Being human one is bound to make mistakes but when he feels remorse over his mistakes and seeks Allah's forgiveness, he find Allah's Mercy boundless. When one seeks protection from Allah (SWT) against evil and asks for capacity to obey Allah (SWT) and His Prophet (SAWS), his sins and errors are forgiven. The Holy Prophet (SAWS) has advised the believers to seek forgiveness at least a hundred times a day. We often make such mistakes which we do not even realize. A saying of the Prophet (SAWS) is that a person who does noble deeds all his life may utter such words that are sufficient to ruin all his deeds and take him to Hell. Similarly a person who was not too pious in his life but said some words which pleased Allah (SWT) whereby he is granted the capacity to repent and thus live a pious life. Those words become a reason for his going to Jannah as he earned the capacity to repent which reformed his life.

Similarly one sentence of insolence leads to the invalidation of all noble deeds and divests the person of capacity to do good deeds. Thus the rest of his life is drenched in sin and leads to Hell in the Hereafter.

RESPECTFULNESS OUTWEIGHS ALL OTHER NOBLE DEEDS:

When it comes to etiquettes concerning Allah's and Prophet's (SAWS) Court the matter becomes very delicate. The basis of all piety is the trait of respectfulness and veneration for the Prophet (SAWS).

A Persian couplet says that beneath the Heavens is an Exalted Court far more sublime and delicate than the Empyrean.

In Quran the protocol of attending the Court of the Holy Prophet (SAWS) has been clearly stated in Surah Hujrat: ayah 2. *It says "O ye who believe! Lift not up your voices above the voice of the Prophet, nor shout when speaking to him as ye shout one to another, lest your works be rendered vain while ye perceive not." (Al-Hujrat: 2)*

It must be seen that the people being addressed here are the Noble Companions (RAU) who were exemplary Muslims. They had proven their devotion by bearing the atrocities of the people of Mecca for thirteen years and had sacrificed everything just to be with their beloved Prophet (SAWS). They had accompanied the Prophet (SAWS) at Badr, Uhed and through thick and thin. Yet this verse was revealed to warn the believers that no matter how noble one maybe with the best deeds to his credit, if even by mistake he raises his voice over the voice of the Prophet (SAWS) his deeds will become null and void. Just imagine if this is the case with Noble Companions (RAU) who were at the apex of devotion then where do we stand with our characters? In spite of being so worthless we still dare to become heedless of Prophet's (SAWS) Exaltation and alienate our practical lives from the Sunnah of our Prophet (SAWS). So what do we deserve as an outcome of our impudence? There are only two paths in life; one is the Path of Allah (SWT) and His Prophet (SAWS) and the other is the Path of Satan. There is no third path in life. Quran says "*O ye who believe! Come all of you into submission (unto Him); and follow not the footsteps of the devil" (Al- Baqarah: 208).*

This address is to those who believe in Allah's (SWT) Oneness (توحید) and believe in His Messenger (SAWS), as well as believe in all the essentials of Islam. They are being reminded that since you have accepted the faith so now you should enter Islam in entirety which is to follow each and every rule throughout your life. A believer should not only become contented with a verbal declaration but he must practically stay within the parameters of Islam. If he steps beyond those limits he would be

AKRAM-UL-TAFSEER

(Selected portions were translated only)

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

(1) A MISCONCEPTION ABOUT SAINTHOOD (WALAYAT)

(Akram-ul-Tafseer Vol:3, Page No. 300)

In our society it is customary to label imbeciles as saints (wali Allah). To be a saint one does not have to be a lunatic. In fact such people are not saints at all, as sainthood is conditional to sincerity and pure beliefs. A person whose beliefs are faulty and who engages in any form of polytheism cannot be a saint. This is the basic and primary qualification. Secondly a person with an evil conduct cannot be a saint. Anyone, who forsakes obedience to the Prophet (SAWS) and indulges in innovations and rituals cannot be declared a saint. Each innovation is erected after demolishing a Sunnah and wherever an innovation is established it marks the deletion of Sunnah. So, how can a person who replaces a Sunnah with rituals and innovation and does this in the name of Islam, be taken as a Saint?

Today, every lunatic or a person who indulges in innovations and all sorts of violations of Shariah is taken as a Saint. These saints promote dance and music; men and women throng to shrines together and ignore all respect and regard to the limits imposed by Islam. These are all fruits borne on ignorance and it is just as if a person is reverting to the era of Ignorance, after Islam. This is the height of misfortune that one may revert to the darkness and wander in wilderness when the light of Islam is shining bright and clear and he resorts to rituals that were observed by the polytheists in the past.

(2) A NEGATIVE BEHAVIOUR

(Akram-ul-Tafseer Vol:3, Page No. 148-149)

It is a common custom nowadays to look at those more affluent than you and covet to become rich like them, by hook or by crook. This is not right. Maulana Sa'adi (RUA) wrote beautiful parables. He says, once he did not own, even a pair of shoes. As he came out of a mosque, he saw everyone putting on his shoes. He felt very sad in his heart and said:"O' Allah (SWT) am I the only one, who is so deprived that I will walk out from here, barefoot!" He says that as he left the door of the mosque he saw a man walking on one foot. He at once repented and thanked Allah (SWT) that He (SWT) has given him two feet while a man with one foot is also there in His (SWT) creation.

A gist of Prophet's (SAWS) saying is that one must always look at those less privileged than him and be grateful to Allah (SWT). One must not see, those who are better off than him, rather always see at those who are surviving under hardships and meager means. It is not forbidden to earn money but it must be earned, honestly. Had money been prohibited than Zakat would not have been prescribed. One can only pay Zakat if he has money but the only thing is that the money should have been earned lawfully and its possession be understood as a trust from Allah (SWT). One must believe that his wealth belongs to Allah (SWT) and he will only spend it where the Owner allows him to spend. He will refrain from spending on matters which are not permissible by Allah (SWT).

There was no human being in Paradise other than Adam[A.S.] and Eve. The Divine address to Eve was by direct inspiration and not through revelation, as is evident from the wording of the said verse." (***Arba'in fi Usul id-Din***, p: 339)

3. Their failure to act upon their *ilhãm* subjected Adam[A.S.] and Eve to physical and worldly afflictions. It was not a punishment for breaking any religious law, though the actual wording of the *Qurãn* is: "*Adam disobeyed...*" This disobedience is in the literal, as distinct from the legal sense (i.e. the crime disclosed in the *Qurãn* that "*...their shame was manifested to them...*" is not a sin). Such an exclusive exposure between the consorts does not violate the *Shar'iah*. This proves that *ilhãm* is a source of knowledge and should be acted upon, or else the defaulter is subjected to physical and worldly distress. It is, however, not obligatory in the eyes of *Shari'ah*.

Similarly Hadhrat Maryam (Mary) was addressed five times by means of *ilhãm*:

1. *And made Zakariah[A.S.] her guardian. Whenever Zakariah went into the sanctuary where she was, he found that she had food. He said, "O Mary! Where does this (food) come from?"* (3:37)

The above revelation relates to physical upbringing.

2. *And when the angels said, "O Mary! Surely ALLAH has chosen you and made you pure, and has preferred you above (all) the women of creation."* (3:42)

This revelation portrays spiritual upbringing.

3. *"(O Mary! Be obedient to your Rabb; prostrate yourself and bow with those who bow (in worship)."* (3:43)

This revelation imposes religious duties on Mary.

4. *(And remember) when the Angel said, "O Mary! Surely, ALLAH gives you glad tidings of a Word from Him, whose name is the Messiah (Prophet Isa[A.S.]), son of Mary, illustrious in the world and the Hereafter, and one of those brought near (to ALLAH)."* (3: 45)

Complete it in Essay 4 (Kashf to a unbelive)...

Essay 3 continued....Genuine and perfect faith is, of course, that of the aulia, trusted and sincere bondsmen, since it is confirmed by inner observation.

Writes Imam Rabbani, in his ***Maktubat*** (no 8, vol: II):

> The belief in the unseen, by His elite, is not like that of the masses. The latter acquire it through audition and reason while the former attain it by having a direct peep across the veils of Beauty and Majesty, and by piercing the curtains of His Splendour and manifestations. Between the elite and the masses is an intermediate class of believers, who mistake shade for Reality, splendour for the Splendid, and are content with their own observations and consider anything beyond this of no consequence.

Tafsir-e Azizi (p: 66) discusses this subject in these words:

> *Iman* (faith) is of two kinds, *taqlidi* (conformable or imitative) and *tahqiqi* (conclusive). The latter again has two categories, inferential and manifest. Each one of these is either limited or limitless. The limited is *Ilm al-Yaqin* (knowledge by information). The unlimited is either based on observation which is termed as *Ain al-Yaqin* (knowledge by observation), or on manifestation of Divinity which is called *Haqq al-Yaqin* (knowledge by conviction).

- Are *Witr*, *Sunnah* and *Nawafil* proved from categorical *Qurãnic* injunction?
- What would be the fate of *Fiqh* (containing innumerable *zanni* ordinances), if *kashf* is rejected on this plea? Some people declare that *kashf* is prone to error. This argument has already been sufficiently refuted on the ground that religion as a whole is based on tradition, handed down through the generations. Since the possibility of error exists in every tradition, should we abandon the religion itself? Some argue that *kashf* and *ilhãm* do not constitute an authority in *Shari'ah*. As stated earlier, this amounts to the denial of *Twaatir*.

To cap it all, some fools profess that an infidel can also have *kashf*. This is nothing but an utter delusion! How can people, for whom ALLAH states, "*For them the gates of Heaven will not be opened*" (7: 40), experience *kashf*, get a glimpse of Paradise and Hell, or meet the spirits of Prophets and Angels? Would an infidel, having *kashf*, not be able to see his ancestors being tortured in the Hell and believers making merry in Paradise? Would he still remain an infidel and persist in his wrong beliefs? Remember that an infidel's belief, his conduct, his words, his heart are all benighted. Is it possible to see things in darkness? Therefore, *kashf* cannot be the lot of an infidel. Should he claim such a thing, it is the devil's whisper; if he sees Angels (as did the infidels in the Battle of *Badr*) they would, of course, be the bearers of Divine punishment, not His reward **[See Essay-4 Kashf to a Non-believer]**.

The exoterics, who are easily taken in, should take note that an infidel, toiling in hunger and thirst, gets physically weak and his blood and body fats are reduced. As a result he achieves a sort of concentration and his heart receives reflections of some material objects. This is the reality of his '*kashf*'. How can he possibly discover Realities, the conditions prevailing in *Barzakh*, Paradise, Hell, the Throne and the Chair?

> *Truly that is the light for which He selects any of His bondsmen He wills.* (24:35)

Evaluation of the *Ulama* in the Light of the *Qurãn*

The *Ulama* possessing knowledge of external sciences, feel justified in denying *kashf* and *ilhãm*, while the *sûfis* consider their denial unlawful if *kashf* or *ilhãm* does not conflict with *Shari'ah*. As a matter of fact, a person who ignores the dictates of his *kashf* or *ilhãm* not in conflict with anything superior to it, (e.g. *Qurãn* and Hadith) does not incur any censure of *Shari'ah* but is liable to suffer physical and material discomforts.

In fine, *kashf* and *ilhãm* do promote knowledge. It will be wrong to ignore them as do the *Ulama* of external sciences. It has also been brought out that it is not obligatory to act upon them as held by some *sûfis*. The truth lies in between, i.e. they are a source of knowledge and may be acted upon, but it is not obligatory to do so. The following discourse will illustrate this point:

> *Then Satan whispered to them.* (7:20)
> *And when they tasted of the tree, their shame was manifested to them.* (7:22)

1. Here chastity is connected with the whisper of the devil. The latter by itself is not a sin till it leads to some sinful act, but it is derogatory to one's excellence.
2. The Divine address to Prophet Adam[A.S.] and Eve before they tasted the tree, "*...but come not near this tree...*" and "*And their Rabb called them...*" was by way of inspiration, and not revelation through Jibril[A.S]. Imam Razi explains that the said address was made through *ilhãm* to both of them individually.

KASHF AND *ILHÃM*

Continued...
Chapter XVII

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

True Faith is Peace of the Heart

The peace of heart is the foundation of true faith. Then comes full belief in matters relating to *Barzakh* and in the events of the Day of Reckoning, as if the believer is witnessing every event with his own eyes. Such a person is said to really believe in the Day of Judgement, as claimed by Harith in the Hadith quoted above, which drew the Prophet's[S.A.W.] comment, "Here is a believer whose heart ALLAH has illuminated."

Note: This proves that true faith comes after peace of the heart, which in turn is obtained by the *zikr* as enunciated in the *Qurãn*:

Truly, in the remembrance of ALLAH do the hearts find peace. (13:28)

True faith means the illumination of a believer's heart to such an extent that he beholds the Throne of the Rabb, from where His Commandments are issued, the events of *Barzakh*, Paradise and Hell. This is called *kashf* and this is the indication of true faith.

Question: And what do you say about the other Companions, of whom such events have not been recorded?

Answer: Absence of record does not connote absence of *kashf*. The former is not *sine-quo-non* for the latter. The incidents of *kashf* of the Companions recorded in Hadith are innumerable. Only a few examples have been listed above; as a detailed study of the same is not intended here.

In fine, *kashf* and *ilhãm* are inner inspirations forming part of the attributes of Prophethood and its heritage. They constitute a guideline after the end of Prophethood and direct revelation through Jibril[A.S]. This Divine bounty is bestowed to prophets and is inherited only by their true followers. It has nothing to do with evil-doers and is confined only to a chosen few, whose hearts are illuminated with true faith.

This discourse has drawn on longer than intended. The reason is that while some of our neophytes are bestowed with and talk about *Kashf-e Qubûr*, the *quasi-maulvis*, bereft of inner light as they are, knit their brows and scold. The self-styled claimants of *wilayah*, who have coined for themselves the lofty titles of 'His Highness', 'Leader of the Path', 'Master of the Mysteries of *Shari'ah*', '*Qutb al-Aqtãb*', etc. should feel ashamed at their ethereal bankruptcy and they indulge in loose talk of all sorts to uphold their vanity. Some of them claim that such attributes are reserved for their ancestors and progeny without assigning any reason for this family reservation. Others reject outright *kashf* and *ilhãm*, on the plausible excuse that the real goal is to acquire His Pleasure; forgetting that *kashf* and *ilhãm* are after all manifestations of His Pleasure, denied to those with whom He is displeased. Still others, giving vent to their envy in a seemingly scientific manner, say that *kashf* is a *zanni* (speculative) affair and as such of no consequence. They are confounded, of course, when asked:

- Whether all of the books of *Fiqh* and Hadith comprise only the categorical ordinances and *Twaatir* type of Hadith?

فہرست کتب

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

شیخ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ

1۔تعارف (اُردو)	15.00
2۔تعارف (انگلش)	20.00
3۔دلائل السلوک (اردو)	250.00
4۔دلائل السلوک (انگریزی)	250.00
5۔حیات النبی ﷺ	30.00
6۔حیات برزخیہ (اردو)	200.00
7۔حیات برزخیہ (انگریزی)	40.00
8۔اسرار الحرمین	80.00
9۔علم وعرفان (اردو)	25.00
10۔علم وعرفان (انگریزی)	25.00
11۔عقائد وکمالات علمائے دیوبند	50.00

ابوالاحمدینؒ

22۔حیات طیبہ اول	600.00
23۔حیات طیبہ دوئم	500.00

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

1۔اسرار التنزیل (اردو) تفسیر قرآن چھ جلدوں میں (فی سیٹ)	2100.00
2۔اسرار التنزیل (انگلش) تفسیر قرآن پانچ جلدوں میں (فی سیٹ)	2000.00
3۔اکرم التفاسیر (زیر طبع) تفسیر قرآن جلد اول تا جلد چوبیس (24X) فی جلد	380.00

1۔غبار راہ اول	150.00
2۔غبار راہ دوئم	100.00
3۔ارشاد السالکین اول	50.00
4۔ارشاد السالکین دوئم	30.00
5۔لطائف اور تزکیہ نفس	15.00
6۔دیار حبیب میں چند روز	40.00
7۔نور و بشر کی حقیقت	20.00
8۔کنز الطالبین	200.00
9۔راہی کرب وبلا	20.00
10۔رموز دل	50.00
11۔حضرت امیر معاویہؓ	35.00
12۔طریق نسبت اویسیہ	250.00
13۔تعلیمات وبرکات نبوت	200.00
14۔خطبات امیر	120.00
15۔کنوز دل	250.00
16۔نقوش	500.00
17۔درود وسلام	20.00
18۔تصوف کیا ہے	20.00
19۔شجرہ مبارک	20.00
20۔محافل شیخ	200.00
21۔شرح مسائل السلوک (جلد اوّل)	٦٠0.00
22۔شرح مسائل السلوک (جلد دوم)	٦٠0.00

پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحبؒ

1۔انوار التنزیل	25.00
2۔چراغ مصطفوی ﷺ	35.00
3۔کس لئے آئے تھے (اردو)	25.00
4۔کس لئے آئے تھے (انگلش)	25.00
5۔بزم انجم	40.00
6۔عظمت صحابہؓ	10.00
7۔ ذکر اللہ (اُردو)	15.00
8۔ لغزشیں	25.00
9۔ مغالطے	30.00
10۔ٹھوکریں	20.00
11۔قرآن حکیم اور دعوت وتبلیغ	15.00
12۔خدا اور ہماری زندگی	40.00
13۔دانا ئس	10.00
14۔تصوف کی پہلی کتاب	50.00
15۔تصوف کی دوسری کتاب	70.00
16۔تصوف برائے انٹرمیڈیٹ	100.00
17۔دین ودانش	25.00
18۔اسلامی تہوار	10.00

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

1۔ہشت روزہ کورس	200.00
2۔سہ ہفتہ کورس	300.00
3۔پنج ہفتہ کورس	250.00
4۔پیشین گوئیاں	30.00
5۔اسلام اور تہذیب جدید (اردو)	120.00
6۔اسلام اور تہذیب جدید (انگریزی)	120.00
7۔طریق السلوک فی آداب الشیوخ	300.00

ملنے کا پتہ اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور فون 04235182727

شعبہ نشر واشاعت دارالعرفان منارہ چکوال Phone: +92543562200 Fax: +92543562198

E-mail: darulirfan@gmail.com web site: www.oursheikh.com

MONTHLY
Al-Murshid

September 2017

Zulhijjah 1438H / Muharram ul Haram 1439H

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم
يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ

(صحیح البخاری، صحیح المسلم، باب الحیض، سنن ابوداؤد، باب الطہارۃ)

Narrated by Hazrat Ayesha (RAU) that the Prophet (SAWS) remembered Allah (SWT) in every moment of his (SAWS) Noble life.

Th· Noble Fratenity of Spiritually Enlightened people (Ahl Ullah) assume the role of ser·ants of the exalted Court of Prophet (SAWS). They become a Cause and a source of de·ivering the Blessings which belong to that exalted court. (Page No. 12)

Al-Sheikh Muhlana Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL/#115

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255